بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

عیدالضحیٰ

جناب پرویز کی وہ تقریر جو دہلی ریڈیو سے 29 دسمبر 1941ء کی شام کو نشر ہوئی۔ قارئین طلوع اسلام کی خدمت میں بطور تقدمہ پیش کی جاتی ہے۔ (ادارہ)

مذہب کے متعلق عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایک فرد کی ذاتی اصلاح کا ذریعہ ہے اس میں شبہ نہیں کہ افراد کی ذاتی اصلاح نہایت ضروری ہے لیکن یہ اصلاح اصل مقصد نہیں۔ عمدہ گھڑی کے ہر پرزہ کے لئے مضبوط اور درست ہونا ضروری ہے لیکن اگر یہ پرزے الگ تھلگ پڑے ہوں تو ان کی پائیداری اور مضبوطی کسی کام کی نہیں۔ یہی پرزے جب ایک نظام کے تحت' ایک خاص ترتیب سے' ایک جگہ جمع کر دیئے جائیں تو ان میں سے ہر پرزہ کی حرکت' دوسرے پرزوں پر اثر انداز ہوگی اور اس طرح ان کی اس مجموعی حرکت کا جیتا جاگتا نتیجہ' محسوس شکل میں' گھڑی کے ڈائل پر نمودار ہو جائے گا۔ اسلام افراد کی اصلاح سے ایک ایسی جماعت پیدا کرنا چاہتا ہے جو نظامِ انسانیت کو عدل پر چلا سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے ایک ایسا عملی پروگرام مرتب کر دیا ہے جس میں ہر قدم اسی منزل کی طرف اٹھتا ہے۔ نماز کے لئے پانچ وقت کا اجتماع۔ تقویٰ۔ ضبطِ نفس۔ غیر اللہ کی محکومی سے انکار۔ اللہ کی حاکمیت کا اقرار۔ مرکزیت۔ اجتماعیت۔ اطاعتِ امام کا عملی مظاہرہ ہے۔ جمعہ کے اجتماع میں یہ دائرہ وسیع تر ہو جاتا ہے۔ عید کی تقریب پر اس کی حدود اور زیادہ پھیل جاتی ہیں اور بالآخر حج کے میدان میں اس کی وسعتیں ساری دنیا کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہیں۔ رمضانِ مبارک کے پورے مہینے کی مشق و ریاضت کے بعد جب ذہنوں میں جلا۔ دلوں میں تازگیٔ ایمان' نگاہوں میں مومنانہ فراست اور خون میں مجاہدانہ حرارت پیدا ہو گئی تو عیدالفطر کے اجتماع میں ہر مقام سے ملتِ اسلامیہ کی نمائندگی کے لئے بہترین افراد کا انتخاب ہوا۔ مسلم نمائندوں کے یہ قافلے دنیا کے دور دراز گوشوں سے جنگل' بیابان کوہ اور دریا کے مرحلوں کو طے کرتے ہوئے۔ **مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ** اپنی بین الملی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے چاروں طرف سے ایک مرکز کی طرف سمٹے چلے آ رہے ہیں۔ دنیا میں کوئی جماعت بلا مرکز قائم نہیں رہ سکتی۔ مسلمانوں کے فکر و نظر کا مرکز قرآن۔ اطاعت کا مرکز امیر اور اجتماعیت کا مرکز وہ بیت الحرام ہے جو ایک خدا کے ماننے والوں کے مورثِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں سے وجود میں آیا اور دنیا کے بتکدوں میں خدا کا پہلا گھر کہلایا۔ **ان اول بيت وضع للناس للذى ببكة مبركا وهدىً للعٰلمين** o (۳/۹۵) بلاشبہ پہلا گھر جو تمام انسانوں کے لئے (بطور مرکز) بنایا گیا ہے وہ یہی ہے جو مکہ میں ہے۔ برکت والا اور تمام دنیا کے لئے ہدایت کا سرچشمہ **ومن دخله كان امنا** o جو کوئی اس کے حدود میں داخل ہوا وہ امن اور حفاظت میں آ گیا۔

اسلام دنیا میں جس نظام کو قائم کرنے کے لئے آیا ہے اس کی بنا اس اصول پر ہے کہ تمام انسان ایک برادری کے فرد ہیں وہ ان تمام غیر فطری حد بندیوں کو توڑنے کے لئے آیا ہے۔ جن سے انسانوں کی یہ برادری مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ نسل کا امتیاز۔ رنگ اور زبان کا امتیاز۔۔ جغرافیائی حدود کا امتیاز اس کے نزدیک سب غیر فطری حد بندیاں ہیں۔ اس لئے خدا کے اس گھر میں جب انسان جمع ہوں گے تو باطل کے ان امتیازات میں سے کوئی امتیاز باقی نہیں رہے گا۔ چینی۔ جاپانی۔ ہندی۔ افغانی۔ ایرانی۔ تورانی۔ حبشی۔ افرنگی سب ایک ملت کی شکل میں اس عظیم الشان حقیقت کا اعلان کرنے کے لئے جمع ہوں گے کہ

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

یہی نہیں بلکہ۔ مختلف قسم کے لباسوں سے جو اعلیٰ اور ادنیٰ کے امتیاز کی جھلک نمودار ہو سکتی ہے اسلام نے اسے بھی روا نہیں رکھا اور حکم دے دیا کہ ارضِ حرم میں داخل ہونے سے پہلے سب ایک ایک بن سلی چادر میں لپٹے ہوئے حاضر ہوں۔ تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری۔ یہ ہے وہ وردی جو اسی بین الملی کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کے لئے تجویز کی گئی ہے۔ یوں باطل کے ہر امتیاز کو مٹاتے' وحدت کے رنگ میں رنگے یہ قافلے چاروں طرف سے' اپنے مرکز کی طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ سب ایک آقا کے غلام' ایک حاکم کے محکوم' ایک قانون کے تابع' ایک نظام کے پابند' فقیرانہ لباس' ننگے سر' گدایانہ وضع' قلندرانہ ادائیں' سکندرانہ جلال۔ دنیا بھر کے آستانوں سے بے نیاز' مستانہ وار گذرتے ہوئے ایک کی چوکھٹ پر سر جھکانے کے لئے بے تاب۔ دل و فور شوق سے بے قرار' آنکھیں مئے توحید سے نشہ بار **لبیک اللھم لبیک** کہتے ہوئے یوں رواں دواں' جانب مرکز کھنچے چلے آ رہے ہیں جیسے شہد کی مکھیاں' رنگ و بو کی فضاؤں کے جوہر اپنے سینوں میں بھر کر سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے شام کے وقت اپنے چھتے کی طرف پروانہ وار اڑتی چلی آ رہی ہوں کہ اپنی محنتوں کا سرمایہ' تگ و دو کا ماحصل۔ مرکز میں لا کر اکھٹا کر دیا جائے۔

زمانۂ ابراہیمیؑ میں رواج تھا کہ عہد و پیمان کی پختگی کے لئے ایک پتھر پر ہاتھ مارتے تھے۔ جب ان رہروانِ منزلِ شوق کے قافلے۔ حریمِ کعبہ میں پہنچے تو اس عہد و پیمان کی تجدید کے لئے جو انہوں نے اپنے اللہ سے باندھ رکھا ہے۔ حجر اسود کو چُھوا۔ بعض نے ہجوم کی وجہ سے دور ہی سے اشارہ کر دیا۔ کسی نے پیمان کے تقدس کی رعایت سے ہاتھ کو چوم لیا اور یوں اس عہد کی تجدید ہوئی کہ **ان صلاتی و نسکی و محیای ومماتی للہ رب العٰلمین لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین** o میری نماز۔ میرا حج۔ میرا جینا۔ میرا مرنا سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام کائنات کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں خدا کے فرمانبرداروں میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

اس عہد و پیمان کی تجدید سے، وجد و مسرت اور سرمستی و شیفتگی کی وہ کیفیت طاری ہوئی کہ والہانہ انداز میں خدا کے اس گھر کے گرد، پروانہ وار گھوم رہے ہیں۔ کوئی کعبہ کی چوکھٹ پر سر رکھے محوِ نیاز ہے، کوئی اس کا غلاف تھامے عالمِ وارفتگی میں جھولی پھیلائے کھڑا ہے۔ دل میں مقدس آرزوؤں کا ہجوم۔ آنکھوں میں چمکتے ہوئے آنسو۔ لب پر دعائیں۔ محویت کا عالم۔ آسمان سے نور کی بارش۔ رحمتوں کا نزول۔ غرضیکہ ایک نئی دنیا اور ایک عجیب سماں ہے۔

خمخانۂ حجاز کے متوالوں کے یہ قافلے 8 تاریخ کو عرفات کے میدان کی طرف روانہ ہو گئے۔ پاک اور صاف، سر سے پاؤں تک للّٰہیت میں ڈوبے ہوئے۔ قدم وادیٔ مکہ میں۔ نگاہیں عرشِ معلیٰ پر، کوئی تیز گام کوئی آہستہ خرام۔ کشاں کشاں، 9 تاریخ کو اس میدان میں آ جمع ہوئے۔ کیسا حسین نظارہ ہے۔ سب ایک آقا کے غلام، ایک ملت کے فرد ایک ہی وضع، ایک ہی انداز، بھائی سے بھائی ملا۔ ایک کا دوسرے سے تعارف ہوا کہ اس مقام کا نام ہی عرفات کا میدان ہے، اجتماع کیا ہے؟ مساوات اور محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ جس میں ہر قطرہ، اپنے آپ کو خود سمندر محسوس کرتا ہے۔ یہ سب خدا کے حضور جمع ہوئے۔ ان کا منتخب امام منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیا۔ اس نے ملت کی اجتماعی حالت پر تبصرہ کیا اور سال بھر کے لئے ایک مرتب شدہ پروگرام کا اعلان کر دیا۔ جس کی تکمیل کے لئے دعائیں مانگی گئیں، التجائیں کی گئیں اور یوں یہ عظیم الشان اجتماع۔ زندہ آرزوؤں کی ایک نئی دنیا اپنے جلو میں لئے۔ دوسری صبح منیٰ کے میدان میں آ گیا۔ یہی وہ میدان ہے جہاں ملتِ حنفیہ کے پیشوائے اعظم۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کے لئے پیشانی کے بل لٹا دیا تھا اور یوں اپنے ایمان محکم کا عملی ثبوت دیا تھا کہ تیرا حکم ہو تو عزیز ترین متاع بھی بلا تامل نثار کر دی جا سکتی ہے۔ اس صحرائی قربانگاہ میں پہنچ کر ملتِ اسلامیہ کے ان نمائندوں نے اس اقرار کو دہرایا کہ تیرا نام بلند کرنے کے لئے جو پروگرام مرتب ہوا ہے اس کی تکمیل میں جس قربانی کی ضرورت ہو گی بلا دریغ کر دی جائے گی۔ یہاں پہنچ کر مختلف ملکوں کے نمائندوں نے اپنے اپنے خیمے لگائے۔ یہ سب اللہ کے مہمان ہیں اس لئے خود ہی مہمان اور خود ہی میزبان ہیں آج صبح ہندی مسلمانوں کے ہاں سب کے کھانے کا انتظام ہے شام کو ایرانیوں کا اہتمام ہے۔ ان دعوتوں کے لئے قربانیاں کی جا رہی ہیں۔ سامان تو کھانے پینے ہی کا ہے لیکن چونکہ وہ مقصدِ عظیم جس کے لئے یہ اجتماع ہوا ہے خالصتاً اللہ کے لئے ہے اس لئے یہ دعوتیں بھی دنیا کی دعوتوں سے نرالی ہیں۔

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماءوھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم کذالک سخرھا لکم لتکبرو اللہ علی ما ھدالکم و بشر المحسنین ○ (۲۲/۳۷)۔ اللہ تک ان قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا۔ بلکہ تمہارے دل کا تقویٰ۔ پاکیزگی مقصد پہنچتی ہے۔ اس نے ان جانوروں کو اس طرح تمہارے لئے مسخر کر دیا کہ تم اللہ کی راہنمائی پر اس کے نام کو بلند کرو۔ اور نیک کرداروں کے لئے بشارت ہے۔ دعوتیں اور ضیافتیں ہیں۔ ایک ملک کے مسلمان

دوسرے ملک والوں کو اپنے مقامی حالات سے آگاہ کر رہے ہیں' دماغی اور قلبی تعارف ہو رہا ہے۔ ادھر ادھر مختلف ملکوں کی مصنوعات کی نمائش لگ رہی ہے۔ خرید و فروخت ہو رہی ہے۔ **لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم** (۲/۱۹۸) اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم (حج میں) اپنے رب کا فضل (یعنی معیشت) کماؤ۔ اس طرح یہ اجتماع ملت اسلامیہ کے لئے دینی اور دنیاوی۔ سیاسی۔ اقتصادی۔ معاشی۔ معاشرتی فوائد کا ذریعہ بن رہا ہے کہ حج کا مقصد یہی ہے **لیشھدوا منافع لھم** تاکہ لوگ اپنے فوائد کے لئے حاضر ہوں۔

تین دن تک یہ اجتماع رہا جس میں عالم اسلامی کے ہر گوشے اور ملت اسلامیہ کے ہر شعبے کے متعلق باہمی تبادلہ خیالات ہوا۔ ادھر یہ ہو رہا ہے۔ ادھر تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ملت کے افراد۔ اپنے اپنے ہاں وادیٔ مکہ کے اجتماع سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے عیدگاہوں میں جمع ہو رہے ہیں۔ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے نیز اس پروگرام کو سننے کے لئے جس کا اعلان ایک دن پہلے میدان عرفات میں ہوا ہے۔ اس پروگرام کی اطلاعیں ریڈیو' ٹی وی' انٹرنیٹ اور تار برقی سے تمام عالم اسلامی تک پہنچ چکی ہیں۔ مقامی مسلمان عیدگاہوں میں پہنچے۔ اپنے اپنے خطیبوں سے اس پروگرام کو سن لیا اور سمجھ لیا جس پر اب سال بھر عمل کیا جائے گا۔ وہ تھا حج یہ ہے عید۔ وہ فریضۂ مقدس جس میں نوعِ انسانی کے قیام و بقاء کا راز ہے۔ تمام انسانوں کا اس لئے کہ مسلمان دنیا میں اپنے ہی لئے نہیں جیتا بلکہ اس کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ تمام دنیا کو اس نظام پر چلائے جس سے انسانیت بڑھے۔ پھولے۔ پھلے اور عروج وارتقاء کی منزلیں طے کر کے' اس منزل سے اگلی منزل میں جا پہنچے۔ حج اس نظام کی سب سے اہم کڑی اور کعبہ اس نظام کا مرکز ہے۔ **جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیٰما للناس** (۵/۹۷)۔ اللہ نے کعبہ کو جو حرمت کا گھر ہے تمام انسانوں کے لئے (امن و عافیت کے) قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔ انسانوں نے مختلف خطوط پر مختلف قسم کی جمعیتیں بنا بنا اور بگاڑ بگاڑ کر مختلف تجربے حاصل کئے ہیں اور ہر تجربہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ۔۔۔ تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی۔۔۔ یہ سب اس لئے کہ جن اصولوں پر یہ جمعیتیں بنائی گئیں وہ سب غیر فطری تھے۔ فطرت کے مطابق تو ایک ہی اصول ہے اور وہ یہ کہ انسانوں کی تقسیم ملکوں اور قوموں کی رو سے نہ کی جائے بلکہ تمام انسانوں کو ایک عالمگیر برادری تصور کر کے انہیں ایک مرکز کے ماتحت خدا کے قانون کے تابع رکھا جائے۔ یہی وہ عظیم الشان اصول ہے جس کی رو سے مکہ کو ''**ھدی للعٰلمین**'' تمام دنیا کے لئے ہدایت کا سرچشمہ اور کعبہ کو ''**قیاماللناس**'' تمام نوع انسانی کے قیام کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اس جمعیت آدم کا فطری نتیجہ ہے' دنیا کا امن و سکون۔ **ومن دخلہ کان امنا**o جو اس میں داخل ہوا۔ امن و حفاظت میں آ گیا حج اور عید اسی منزل کے نشانِ راہ ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمیل احمد عدیل

ربوٰ کی دلرُبا صورتیں

دین کے حوالے سے ہماری سوچیں زوال پذیر کیوں ہوئیں؟ مستقبل کا مورخ جب سینکڑوں اسباب شمار کروائے گا تو اس اہم تر سبب کو ہرگز نظر انداز نہیں کر سکے گا کہ اس دور میں ٹی وی چینلز پر نیم ملاؤں نے بھی ایمانیات کو لاتعداد خطرات سے دوچار کیا تھا۔ وضاحت کر دیں کہ ہم علمائے حق کا بے حد ادب کرتے ہیں اور دل سے یہ یقین رکھتے ہیں کہ دین اسلام کو اصل اور حسین صورت میں برقرار و بحال رکھنے میں راست فکر علماء کا کردار سب پر حاوی رہا ہے۔ ہر دور میں صائب النظر علماء موجود رہے ہیں' بحمد اللہ آج بھی دنیا ان سے یکسر خالی نہیں ہے۔ لیکن یہ کڑوا سچ بھی طوہاً و کرہاً نگلنا ہی پڑے گا کہ اپنے گیٹ اپ کے اعتبار سے ٹی وی سکرین پر مکمل و اکمل دکھائی دینے والے بعض ''علماء'' 'یقیناً علمائے سوء میں شامل ہیں۔ یہ نکتہ ہمیں علمائے حق نے ہی سمجھایا ہے کہ دین کی آبرو اسی صورت میں سلامت رہے گی اگر مسلمان علمائے سوء سے بچ کر رہیں گے۔

صاحبو! حال ہی میں ایک ایسے ہی نام نہاد ''مفتی صاحب'' ٹی وی کی سکرین پر نمودار ہوئے۔ سائل نے ان سے سوال پوچھا: حضرت! میں بینک کی وساطت سے قسطوں پر گاڑی خریدنا چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے بینک مجھے مارک اپ پر گاڑی دے گا۔ مثال کے طور پر وہ گاڑی اس وقت مارکیٹ سے چھ لاکھ میں دستیاب ہے جبکہ بینک مجھ سے پانچ برس میں آٹھ لاکھ روپے وصول کرے گا۔ چونکہ میرے پاس یکمشت ادا کرنے کے لئے چھ لاکھ روپے نہیں ہیں' لہٰذا میرے پاس یہی آپشن ہے کہ میں قسطوں پر کار خرید لوں۔ اب وہ دو لاکھ تو سود ہوئے' سود کی اجازت نہیں' فرمائیے میں کیا کروں؟.....؟

دوستو! اب سماعت فرمائیں مسئول مفتی صاحب کا ''عارفانہ جواب''۔ دیکھئے جناب! وہ دو لاکھ تو واقعتاً سود ہیں۔ اس کا حل یہ ہے کہ جب بینک والوں سے آپ کا ایگریمنٹ ہو جائے تو متعلقہ بینک آفیسر سے آپ میز پر موجود ایک قلم مانگ لیں۔ ظاہر ہے وہ آپ کو انکار نہیں کریں گے۔ اب آپ دل میں یہ نیت کر لیں کہ یہ پین میں

نے دو لاکھ روپے میں خریدا ہے۔ اس طرح وہ دو لاکھ روپے پین کی قیمت ہوگئی' سود نہ رہا۔

کیوں جی! آپ یہ جواب سن کر حیران ہوئے ہیں یا پریشان؟ سچی بات ہے ہم بھی حیران ہونے کی بجائے پریشان ہی ہوئے تھے وہ تو ہمیں برادر بزرگ حافظ شفیق الرحمٰن صاحب کے ایک کالم نے بتایا کتاب الفقہ میں ایک ''باب الحیل'' بھی ہوتا ہے جس میں ''نظریۂ ضرورت'' کے تحت مسائل کے حل کی ایسی ہی نوعیتیں متعارف کروائی گئی ہیں۔ اب ہم اپنی طرف سے کوئی اور تبصرہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں' البتہ صرف یہ گزارش کریں گے کہ بینک والوں کو چاہئے وہ گاڑیوں کی خرید وفروخت کی بجائے پین بیچنا شروع کر دیں' یہ کام ان کے لئے زیادہ ''سود مند'' رہے گا۔ اچھا یاد آیا ہم نے بہت پہلے کہیں پڑھا تھا یہ جو لفظ ''سود'' ہے' یہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ یہ قرآنی اصطلاح ''ربٰو'' کا کسی طور مترادف نہیں ہے۔ اس فارسی لفظ کے لغوی معنی ''نفع'' ہیں۔

اب قارئین محترم! نفع حاصل کرنا تو کوئی جرم نہیں ہے۔ آخر دنیا کا ہر کاروبار اسی ایک کشش پر ہی تو چلتا ہے کہ دکاندار/ چیز بیچنے والا اپنی چیز فروخت کرتا ہے اور اس پر جائز فائدہ منافع کی صورت میں وصول کرتا ہے۔ پھر ''سود'' کو حرام کیوں قرار دیا گیا؟ اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ''ربٰو'' یا ''سود'' کا نام ''نفع'' رکھ دینے سے وہ نفع بن نہیں جاتا۔ ہمارے بینکنگ کے سسٹم میں' منافع' بچت' انٹرسٹ اور مارک اپ ایسے دسیوں نام اس ''عمل'' کے رکھے گئے ہیں جسے اللہ کی کتاب ربٰو کہتی ہے۔ ایک تو حجازی لغت کے قارون ایسی مشکل زبان استعمال کرتے ہیں کہ عام آدمی کے کچھ پلے نہیں پڑتا۔ سادہ تر زبان میں آپ یوں سمجھ لیں کہ قرآن کے نزدیک ''ربٰو'' منافع کی وہ صورت ہے جس میں بغیر کسی محنت و کاوش کے کسی کو فائدہ پہنچے۔ قرآن مجید کی سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷۵ صراحت کرتی ہے: ''یہ لوگ (سودخور) اپنی اس روش کے جواز میں دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ربٰو (روپے پر زیادہ وصول کرنا) تجارت کی مثل ہے۔ دونوں میں کچھ فرق نہیں''۔ اب قرآن مجید آگے چل کر فوراً واضح کر دیتا ہے کہ یہ ان لوگوں کی کٹ حجتی ہے تجارت میں انسان روپیہ بھی لگاتا ہے اور اس کے ساتھ محنت بھی کرتا ہے۔ وہ جو کچھ زائد لیتا ہے وہ اس کے روپے کا منافع نہیں ہوتا' اس کی محنت کا معاوضہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ربٰو میں محنت کچھ نہیں کی جاتی محض روپے پر منافع لیا جاتا ہے۔ یہ ناجائز ہے۔

پیارے پڑھنے والو! اس درجہ واضح قرآنی مفہوم کی موجودگی میں ہماری سمتیں کیوں گم ہوگئی ہیں؟ ٹھیک ہے اس کی بنیادی وجہ تو بے شک یہی ہے کہ سرمایہ داری کے

نظام کی جڑیں اتنی مضبوط ہیں کہ ہم سب بے بس ہیں۔ اس وقت دنیا کے پورے سسٹم کو سرمایہ دار چلا رہے ہیں اور ہم ایک ترقی پذیر بلکہ پسماندہ ملک کے رہنے والے ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔ وہ رعونت سے کہتے ہیں ''انا ربکم الاعلیٰ''۔ ہم جواباً کہتے ہیں بلاشبہ تو ہی سب سے اعلیٰ پالنے والا ہے۔ یارو! کم از کم نظری سطح پر پہلے مرحلے میں غلط کو غلط تو تسلیم کر لیں۔ لیکن یہ کیا یہاں علی الاعلان کہا جاتا ہے کہ سود در سود یعنی سود مرکب تو واقعتاً حرام ہے' لیکن سود مفرد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ زمین کی بٹائی یا مضاربت بھی غلط نہیں ہے۔ یعنی زمین کا مالک کوئی اور ہو' مزارع محنت کر کے فصل اگائے۔ جب پیداوار تقسیم ہو تو ''مالک'' جس نے کچھ بھی نہیں کیا اسے گھر بیٹھے بٹھائے آٹھ حصے مل جائیں جبکہ مزارعت کرنے والے کو دو حصے۔ تاریخ بتاتی ہے جب اللہ تعالیٰ نے سود/ ربوٰ کے متعلق آیات نازل کیں تو خاتم الانبیاﷺ مارکیٹوں اور کھیتوں/ زمینوں کا جائزہ لینے کے لئے بنفس نفیس تشریف لے گئے اور اس وقت کی ٹریڈ کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ اس ضمن میں ایک حدیث پیشِ خدمت ہے جس کا انکار کوئی ''منکر حدیث'' ہی کر سکتا ہے: ایک کھیت میں ایک صحابی رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے آپﷺ ملے جو کھیت کو پانی دے رہے تھے۔ آپﷺ نے ان سے کاشت کے معاملے کی تفصیلات پوچھیں تو حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ زمین فلاں شخص کی ہے اور میں اس پر کاشت کر رہا ہوں جب فصل تیار ہو گی تو آدھی مالک زمین کو دے دی جائے گی اور آدھی میں خود رکھ لوں گا۔ آپﷺ نے فرمایا کہ تم دونوں یہ تو سود کا کاروبار کر رہے ہو۔ زمین مالک کو واپس کر دو اور اپنی مزدوری اس سے لے لو۔ (سنن ابی داؤد مطبوعہ جلد سوم صفحہ ۳۵۵)۔

اس مرحلے پر ایک خاص نکتے کے تناظر میں ہم بات کرنا چاہتے ہیں کہ مذکورہ واضح احکام کی روشنی میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلیپنگ پارٹنر کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن یہاں اکثریت کا یہی کہنا ہے کہ اگر سرمایہ کوئی لگائے اور محنت کوئی کرے تو وہ ''سویا ہوا شریک'' جو منافع حاصل کرے گا' وہ اس پر حلال ہے۔ جو زیادہ متقی ہیں انہوں نے اسے نفع و نقصان کی مساویانہ شراکت کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ ایک تو یہ ہے کہ منافع کی شرح فکس نہ کی جائے' دوسرے یہ کہ اگر اس کاروبار میں گھاٹا پڑ جائے تو جس کا Capital ہے' وہ بھی نقصان میں شریک ہو گا۔ بادی النظر میں یہ شکل بے ضرر دکھائی دیتی ہے مگر ذرا گہرائی میں جا کر غور کیا جائے تو اصل فساد کی جڑ یہی صورت ہے۔

دین اسلام اپنی اساس کی اعتبار سے محنت کی عظمت پر یقین رکھنے والا بہترین نظام ہے۔ اس کے

پروگرام کا نقطہ ماسکہ یہی ہے کہ مترفین کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ واقعتاً یہاں قرعہ اندازی سے مالدار ہونے والے' جواء کھیلنے والے' نذرانے لینے والے ہر پیرا سائٹ کی سخت مذمت کی جاتی ہے۔ اب وہ لوگ جو سلیپنگ پارٹنر کہلاتے ہیں ان کی ساری گیم ہی پیسے کے زور پر آگے بڑھتی ہے۔ جس کسی نے کسی طرح اپنی ''دماغی صلاحیت'' سے ایک بار معقول رقم جمع کر لی اب اسے صرف ضرب کے فارمولے پر عمل کرنا ہے۔ زمین خرید کر وہ مزارعین کے سپرد کرے گا' خود چوہدری بنے گا' کام کرنے والے محنتیوں کو کمی بنائے گا اور عمر بھر چوڑا ہو کر کھائے گا۔ یا پھر وہ سرمایہ دار اپنی رقم کسی اور مشقتی کے سپرد کرے گا جو دن رات ایک کر کے کمائی کرے گا۔ اس سرمایہ دار کا اصل زر تو کہیں جا ہی نہیں سکتا' منافع کا معتد بہ حصہ پھر سرمایہ دار لے جائے گا اور محنت مشقت کرنے والا بے چارہ ساری زندگی بس برابر برابر ہی رہے گا۔ یہی کاہل سرمایہ دار فی الحقیقت وہ جونکیں ہیں جو معاشرے کا صدیوں سے لہو چوس رہی ہیں۔ ان کے برعکس وہ مزدور پیشہ غرباء ہیں' ان کا مقدر ہی مسلسل پستے چلے جانا ہے اور وہ پستے چلے جائیں گے۔ امیر امیر تر ہوتے چلے جائیں گے' غریب غریب تر۔ بات صرف بینکوں کے نظام کی نہیں' بات صرف پرائیویٹ سود خوروں کی نہیں' بات صرف اس کاروبار کو قانونی' شرعی تحفظ دینے والوں کی نہیں۔ اصل قصہ یہ ہے کہ قرآنی نظامِ معیشت سرمایہ داری اور جاگیرداری کے خلاف ایک مربوط و مضبوط پہلی باقاعدہ آواز ہے۔ جب تک یہ مکمل معاشی نظام' جی ہاں اپنی مکمل صورت میں از سرِ نو نافذ نہیں ہوگا' تب تک کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ سارے سپنے تعبیروں کو ترستے رہیں گے۔ اس ایک کل کے سیدھے ہونے سے ساری کلیں اپنے آپ سیدھی ہو جائیں گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منصور سرمدی

طبیعی حوادث اور عذابِ خداوندی کا مروجہ تصور

۸/ اکتوبر ۲۰۰۵ء کی صبح ۸ بجکر ۵۲ منٹ پر پاکستان کے بعض علاقوں میں محسوس کیے جانے والے زلزلے کے شدید جھٹکوں نے پوری قوم کو غم واندوہ کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا۔ مظفر آباد، باغ، بالاکوٹ، مانسہرہ اور راولاکوٹ کے نواحی علاقوں میں کوئی گھر ایسا نہیں تھا جہاں صف ماتم نہ بچھی ہو، کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشک بار نہ ہو۔ وہ بھی کہ جن کے پیارے اس حادثہ میں کام آ گئے اور وہ بھی جنہوں نے تباہی کے مناظر ٹی وی پر دیکھے یا ریڈیو سے سنے، ہر ایک کی آنکھ نمناک تھی۔ تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے کم سن بچے، طلباء، اساتذہ، دفاتر میں کام کرنے والے ملازمین، گھروں کے مکین سبھی اس حادثۂ جانکاہ سے متاثر ہوئے جس میں بڑی بڑی بلند و بالا عمارتیں پل بھر میں زمیں بوس ہو گئیں اور پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئے۔

پاکستان بھر کے عوام نے مصیبت کی اس گھڑی میں آفت زدہ بھائیوں کے لئے جس ایثار، وسعت قلبی، گرم جوشی اور بھائی چارے کا مظاہرہ کیا وہ قابل دید و داد ہے۔ مختلف فرقوں، سیاسی دھڑوں اور ذات برادری میں بٹی ہوئی اس قوم نے جس جوانمردی و زندہ دلی کا ثبوت دیا ہے اس نے سبھی کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ چند ٹرانسپورٹروں اور خیمہ کے تاجروں کے رویہ سے قطع نظر معاشرے کے ہر طبقے نے حسب استطاعت امدادی کاموں میں حصہ لیا۔ حتیٰ کہ ننھے طالب علموں نے اپنا جیب خرچ تک راحت کاری (Releif Efforts) کی نذر کر دیا۔ خواتین نے جذبہ انسانی ہمدردی میں مردوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اس سارے منظر نامے میں ابھی تک دانستہ ایک طبقے کا ذکر نہیں کیا گیا اور وہی ہمارا آج کا موضوع ہے۔ یہ طبقہ ہے پاکستان کے صاحبان جبہ و دستار کا یعنی ہماری مذہبی پیشوائیت جس کا ردعمل اور موقف باقی تمام طبقات سے الگ تھلگ اور نرالا ہے۔

زلزلے کے دو تین دن بعد تک آفت زدہ

علاقوں میں صورت حال یہ تھی کہ ہزاروں لوگ ملبے تلے دبے ہوئے مدد کے لئے پکار رہے ہیں' ان میں بچے بھی ہیں اور خواتین بھی' ضعیف بھی ہیں اور مریض بھی۔۔کسی کا بازو ملبے کے نیچے پھنسا ہوا ہے تو کسی کی ٹانگ' کوئی پورے کا پورا ملبے تلے دبا ہوا مگر زندہ ہے تو کوئی کسی ستون کے قریب سلامت مگر مقید۔غرض ہر طرف سے مدد کے لئے چیخ اور پکار اور ھاھا کار مچی ہوئی۔۔لوگ حسب استطاعت مدد بھی کر رہے ہیں مگر ایسے میں ہماری مذہبی پیشوائیت زلزلہ زدگان پر فتویٰ صادر کرتی ہے کہ۔۔ ''تمہاری یہ تباہی اللہ کا بھیجا ہوا عذاب ہے''۔۔''یہ سب تمہاری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے''۔۔''یہ قوم کے گناہوں کا صلہ ہے''۔۔ذرا چشم تصور میں لائیے اس ماں کی حالت زار کو جس کے پھولوں جیسے معصوم بچے ملبے کے ڈھیر تلے جاں بحق ہو گئے ہوں' بھائی اور خاوند کا کچھ پتہ نہ چل رہا ہو۔اس کا کوئی مددگار نہ بچا ہو جو ملبے سے لاشیں نکالنے میں مدد دے سکے اور وہ بے چاری ملبے کے پاس بیٹھی بے بسی کے آنسو بہا رہی ہو اور اسے یہ ''مژدہ'' سنایا جائے کہ ''یہ ایک عذاب خداوندی ہے جو تمہارے اور تمہارے خاندان کے افراد کی بداعمالیوں کے نتیجے میں بھیجا گیا ہے''۔دنیا کا سنگدل سے سنگدل شخص اور کوئی شقی القلب بھی ایسا نہ ہوگا جس کا دل ایسے موقع پر پسیج نہ جائے لیکن ہماری مذہبی پیشوائیت کی ہر ادا نرالی ہے۔یہ کچھ ایسی اذیت پسند (Sadist) واقع ہوئی ہے جسے امت مسلمہ کو پہنچنے والے ہر زخم اور ہر تکلیف پر راحت و فرحت کا احساس ہوتا ہے۔اسے غرض ہے تو اپنی مسند ارشاد سے' اسے سروکار ہے تو اپنے حلوے مانڈے سے۔قبل اس کے کہ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ آیا واقعی آفات ارضی و سماوی کسی قوم کی بدعملیوں کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتی ہیں؟ اور قرآن کریم اس ضمن میں کیا کہتا ہے اور کونسی مثالیں پیش کرتا ہے۔۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دیکھ لیا جائے کہ ماضی قریب میں بعض مسلمان ملکوں میں بالخصوص اور باقی دنیا میں بالعموم' آنے والی طبیعی آفات کے بارے میں پاکستان کے صاحبان جبہ و دستار کا کیا ردعمل تھا۔

چند سال پہلے برادر ملک ترکی میں زلزلے نے تباہی مچا دی تھی جس سے بہت سا جانی و مالی نقصان ہوا۔ پاکستان کے مذہبی رسالہ جات و مجلّہ جات میں اس پر زہریلے تبصرے شائع ہوئے اور ترک قوم کی ''بداعمالیوں'' کو اس کا ذمہ دار گردانا گیا۔ان کی مالی و اخلاقی امداد کرنے کی بجائے ان کو طعنے اور کوسنے دیے گئے۔انہیں آیۂ عبرت بتایا گیا۔اس کے بعد ایران میں شدید زلزلے نے متعدد شہروں اور ان کی آبادیوں کو تباہ و

برباد کر دیا تو پھر اسی طرح کے تبصرے اور قلمی نشتر چلائے گئے۔ کہیں ان کے عقائد کو ہدف ملامت بنایا گیا تو کہیں ان کے گناہوں کو۔۔ پھر جو سونامی کے طوفان بلاخیز نے مسلم اور غیر مسلم۔۔ انسانوں کی وسیع آبادی کو متاثر کیا تو جن لوگوں نے اس دور کے مذہبی جلسے' جمعہ کی تقریریں' مذہبی جماعتوں کے اخبارات و رسائل سے ''استفادہ'' کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مذہبی پیشوائیت کے قلم میں کتنا زہر بھرا ہوا تھا اور اسکی زبان میں کس قدر ڈنک۔ قطرینا اور ریٹا کے سمندری طوفانوں نے امریکہ کے بعض علاقوں میں تباہی مچا دی تو گویا ہماری مذہبی پیشوائیت کو ایک پسندیدہ موضوع مل گیا۔ کہیں اسے افغانستان وعراق پر امریکی جارحیت کا نتیجہ قرار دیا جا رہا ہے تو کہیں وہاں پہ ہونے والی بدنظمی کے چند واقعات کی بنیاد پر پوری امریکی قوم کو نظم و ضبط سے تہی دامن قرار دیا جا رہا ہے۔ کہیں عنقریب پورے امریکہ کی بربادی کا ''مژدۂ جانفزا'' سنایا جا رہا ہے۔ حالانکہ افغانستان وعراق پر حملہ کی منصوبہ بندی کرنے اور پھر عملی جامہ پہنانے والے صدر بش اور اس کی کابینہ کے کسی رکن کو کوئی گزند بھی نہیں پہنچی تھی۔

یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ جب دوسرے کے گھر کو آگ لگتی ہے تو انسان اس کا تماشہ دیکھتا ہے۔ اسے اس قلبی و ذہنی کوفت کا احساس نہیں ہوتا جو اس گھر کے مکینوں پر بیت رہی ہوتی ہے کیونکہ اس آگ کے شعلوں کی تپش اس تک نہیں پہنچ رہی ہوتی۔ مگر کبھی جب انسان کے اپنے گھر کو آگ لگ جائے تب اسے اندازہ ہوتا ہے کہ گھر جلنے سے کتنا نقصان ہوتا ہے۔۔ خیال تھا کہ مذہبی پیشوائیت پاکستان میں آنے والے زلزلے کی تباہی پر بالغ نظری اور ذمہ داری کا مظاہرہ کرے گی مگر ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مذہبی طبقہ اپنے وعظوں میں' جمعہ کے اجتماعات' تبلیغی مجلسوں' اخبارات و جرائد میں مسلسل اس قدرتی آفت کو عذاب خداوندی اور قوم کے گناہوں کی سزا قرار دے رہا ہے۔ ثبوت میں چند وضعی روایات کو پیش کرنے کے ساتھ قرآن کریم کی بعض آیات کو سیاق و سباق سے علیحدہ (Out of Context) کر کے پیش کر دیا جاتا ہے جس سے سطحی نظر رکھنے والے مذہب پسند لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں۔ آیئے ذرا قرآن کی ان آیات اور مثالوں کا گہری نظر سے جائزہ لیں' جن میں اللہ نے سیلاب' زلزلوں' آندھیوں اور جھکڑوں کو عذاب خداوندی کے طور پر پیش کیا ہے۔

قرآن کریم نے جن قوموں پر عذاب خداوندی بصورت طبیعی حوادث و قدرتی آفات کا ذکر کیا ہے ان میں قوم نوحؑ' قوم عادؑ قوم ثمود اور قوم لوطؑ کا ذکر

قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے۔ قوم نوح سیلاب کی تباہ کاریوں کا شکار ہوئی' اقوام عاد وثمود ولوطؑ وغیرہ کی تباہی زلزلہ کے جھٹکوں' پہاڑوں کے ٹوٹنے سے پتھروں کی بارش' آتش فشاں لاوا اور آندھی کے جھکڑوں (Cyclones) کے ذریعے ہوئی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بڑی سرکش واقع ہوئی تھی۔ باوجود اس کے کہ جناب نوحؑ نے ان کو سمجھانے اور اصلاح احوال کی کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا' قوم کا سرکش طبقہ حدود فراموش ہوتا چلا گیا۔ قرآن میں ہے کہ ''پس قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہوئی تھی کہا کہ ہم تم میں اس کے سوا کوئی بات نہیں دیکھتے کہ تم ہماری طرح کے آدمی ہو اور اس کے سوا ہم کچھ نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کرنے والے معاشرے کے نچلے درجے کے لوگ (یعنی کمی کمین) ہیں جو بلا سوچے سمجھے تیری پیروی کرتے ہیں اور ہم تم لوگوں میں اپنے سے کوئی بڑائی نہیں پاتے بلکہ گمان کرتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو۔ نوح نے کہا اے میری قوم کیا تم نے اس بات پر غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل لئے ہوئے ہوں اور اس نے مجھے وحی کی رحمت بھی عطا کر دی ہو مگر تمہیں نظر نہ آ رہی ہو تو میں اس کے علاوہ کیا کر سکتا ہوں جو میں پہلے ہی کر رہا ہوں۔ یہ کوئی زور زبردستی کا معاملہ تو ہے نہیں''۔ (۲۸۔۱۱/۲۶)۔

جب قوم کو تعلیمات خداوندی کی مسلسل تبلیغ کی گئی تو ان کا ردعمل نہایت منفی تھا۔ انہوں نے حضرت نوحؑ کو شدید دھمکی دے ڈالی۔ ''(اے نوح) اگر تم اپنی تبلیغ سے باز نہ آئے تو تمہیں سنگسار کر دیا جائے گا'' (۲۶/۱۱۶)۔ حضرت نوحؑ نے جواب میں اتنا کہا کہ ''میرا مقصد تو تمہیں غلط روش زندگی کے تباہ کن نتائج (یعنی عذاب خداوندی) سے آگاہ کرنا ہے'' (۲۶/۱۱۵' نیز ۲۹/۱۱' ۷/۲' ۱۰' ۱۰۹/۲۶)۔ بات جب حد سے بڑھ گئی تو جناب نوح نے اپنی قوم کا سب سے بڑا جرم (یعنی تکذیب رسول) گنواتے ہوئے خدا سے مدد طلب کی۔ ''قال رب انصرنی بما کذبون'' (نوح نے) کہا خدایا انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے لہٰذا تو ہی میری مدد کر'' (۲۳/۳۹)۔ قوم کی طرف سے جب مخالفت تمام حدوں کو پار کرنے لگی تو نوحؑ نے اپنے خدا سے التجا کی ''اے پروردگار تو ان سرکش و نافرمان لوگوں میں سے کسی کو زمین پر زندہ نہ چھوڑنا'' (۶۶/۷۱)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک کشتی کی تیاری کا حکم دیا اور مجرمین کی غرقابی کی آپ کو خبر کر دی۔ ''اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تیری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا

اب کوئی اور ایمان لانے والا نہیں ہے لہٰذا تو ان (سرکش لوگوں) کے افعال پر غم نہ کر۔ اور (کہا گیا کہ) ہماری نگرانی اور حکم کے مطابق ایک کشتی تیار کرو اور اب ان ظالموں کے بارے مجھ سے کوئی بات نہ کرنا۔ یقیناً یہ لوگ (سب) غرق ہو جائیں گے''۔ (۳۷۔۳۶/۱۱)۔

یوں جناب نوحؑ کشتی کی تیاری میں مصروف ہو گئے مگر اس پر بھی ان لوگوں نے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ ''اور جب کبھی ایسا ہوتا کہ ان کی قوم کا کوئی گروہ وہاں سے گذرتا تو ان کو کشتی بنانے میں مصروف دیکھ کر تمسخر اڑانے لگتا''۔ (۳۸/۱۱) قصہ کوتاہ' کشتی تیار ہو گئی اور عذاب کا وقت آن پہنچا۔ ''حتیٰ کہ جب وہ وقت آ گیا کہ ہماری ٹھہرائی ہوئی بات ظہور میں آئے اور زمین کے چشموں نے زور مارا تو ہم نے حکم دیا کہ ہر قسم کے (جانوروں کے) دو دو جوڑے کشتی میں لے لو۔ اور اپنے اہل کو بھی ساتھ لے لو مگر اہل میں وہ لوگ شامل نہیں جو ایمان نہ لائے ہوں۔ ان لوگوں کو ساتھ لے لو جو ایمان لا چکے ہیں۔ اور نوح کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی ایمان لائے تھے''۔ (۴۱۔۴۰/۱۱)۔ جب حضرت نوح یہ سب انتظامات مکمل کر چکے تو: ''پس ہم نے آسمان (سے بادلوں) کے دروازے برسنے والے پانی سے کھول دیے اور زمین سے چشمے کھول دیے تو اس طرح زمین و آسمان کا پانی اس معاملہ کے لئے جس کا پیمانہ مقرر ہو چکا تھا' ایک جگہ جمع ہو گیا۔ اور ہم نے (نوح کو) میخوں اور تختوں سے بنی ہوئی کشتی پر سوار کرا دیا۔ وہ ہماری نگرانی میں چل رہی تھی۔ اور غرق ہونے کی سزا ان کے لئے تھی جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی تھی''۔ (۱۴۔۱۱/۵۴)۔

یوں اس طوفان بلاخیز (Deluge) کی طغیانیوں میں وہ سرکش و مغرور قوم مع اپنے ساز و یراق جن کے بل بوتے پر وہ کفر کی زندگی پر جمے ہوئے تھے تنکوں کی طرح بہہ گئی۔ باقی بچے تو صرف وہی لوگ جو کل تک بے یارو مددگار اور کمزور سمجھے جاتے تھے اور جن کا تمسخر اڑایا جاتا تھا۔

قوم عاد کا واقعہ بھی قرآن میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ ''قوم عاد قوم نوح کی جانشین قوم تھی'' (۶۹/۷) اللہ نے انہیں زندگی کی تمام نعمتوں' خوشحالیوں' مال مویشی اور اولاد کی کثرت سے نوازا تھا۔ ''یہ قوم مضبوط قلعے اور بڑی عمارتیں بنانے میں ماہر تھی'' (۱۲۹/۲۶)۔ مگر جب قوانین خداوندی سے سرکشی برتی گئی تو اصلاح احوال کے لئے اللہ نے حضرت ھودؑ کو بھیجا (۶۵/۷) قوم عاد نے آپ کی مطلق پروا نہ کی۔ الٹا انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی ''کذبت عاد ن المرسلین'' قوم عاد نے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا

(۲۶/۱۲۳)۔ جناب ھودؑ نے بھی اپنی قوم کو اللہ کی اطاعت کی طرف بلایا۔ (۶۵/۷) اللہ کی اطاعت سے انحراف اور غلط روش زندگی اختیار کرنے کی صورت میں آپؑ نے اپنی قوم کو آنے والے عذاب کی ''بشارت'' دے دی۔ ''میں تم کو بڑے دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں'' (۲۶/۱۳۵) ''(ہود نے) کہا' یقین کرو' تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب نازل (ہونے کا فیصلہ) ہو چکا ہے'' (۷۱/۷)۔ قوم عاد کو مطلق یقین نہ آیا کہ ان کی تمام دولت وثروت اور مال واولاد ایک دن ختم بھی ہوسکتی ہے۔ چنانچہ جب عذاب کا وقت آن پہنچا تو: ''پھر جب انہوں نے دور سے بادلوں کو اپنی وادیوں کی طرف آتے دیکھا تو (خوش ہوکر) کہا کہ یہ تو ہم پر برسنے والا بادل ہے۔ (ان کے اعمال کے نتائج نے کہا) نہیں بلکہ یہ وہی عذاب خداوندی ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے۔ یہ تو آندھی ہے جس میں بہت دردناک عذاب ہے جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر ڈالے گی۔ چنانچہ وہ ایسے تباہ ہوئے کہ ان کے مکانات (کے کھنڈروں) کے سوا کچھ نظر نہیں آتا''۔ (۲۵۔۲۴/۴۶)۔ آندھی اور جھکڑ (Cyclone) کا یہ عذاب مسلسل آٹھ دن اور سات راتوں تک جاری رہا'' (۷۔۶/۶۹)۔ ''یوں قوم عاد کے سرکش و ظالم لوگ ہلاک ہو گئے مگر حضرت ھودؑ اور ان کے پیروکار اس تباہی سے محفوظ رہے'' (۵۸/۱۱'۲۷/۷)۔

قوم ثمود کو بھی اللہ نے بڑی مرفہ الحالی اور وسیع محلات عطا کر رکھے تھے۔ ''اور دیکھو قوم ثمود جنہوں نے بڑی بڑی چٹانوں کو تراش کر مکانات اور قلعے تعمیر کر رکھے تھے'' (۸۹/۹)۔ ان کی ہدایت کے لئے خداوند تعالیٰ نے سلسلۂ وحی مبعوث کیا مگر ''قوم ثمود نے اپنی طرف بھیجے گئے رسولوں کی تکذیب کی'' (۲۶/۱۴۱)۔ ''عذاب خداوندی سے ڈرانے والوں (یعنی انبیاء) کی قومِ ثمود نے تکذیب کی'' (۵۴/۲۳)۔ ''انجام کار حضرت صالح کو قوم ثمود کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا (۱۳/۷)''۔ آپ نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا مگر پھر وہی مخالفتیں چمک اٹھیں اور کشمکش شروع ہوگئی جن کا ذکر اقوام سابقہ کی سرگزشت میں آچکا ہے۔ ہم سردست اس حصے کی طرف آتے ہیں جس میں عذاب خداوندی کا ذکر ہے۔ اللہ نے انبیائے گذشتہ کی طرح اس عذاب کی خبر بھی صالحؑ کو پہلے سے کر دی۔ چنانچہ مذکورہ عذاب واقع ہونے سے عین قبل حضرت صالحؑ نے اپنی قوم سے کہا۔ ''تم تین دن تک اپنے گھروں میں کھا پی لو۔ یہ (عذاب) ایک ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا ثابت نہ ہوگا'' (۶۵/۱۱)۔ قوم ثمود بھی اقوام سابقہ کی طرح اپنے رسول کو جھٹلانے کی عادی تھی چنانچہ

انہوں نے اس تنبیہہ کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اور مدت کے اختتام پر آتش فشاں پہاڑوں میں زور دار دھماکہ ہوا جس سے ایک چیخ، ایک کڑک اور زلزلہ پیدا ہو گیا۔ ''پھر یوں ہوا کہ زلزلہ نے انہیں آ لیا اور جب ان پر صبح ہوئی تو وہ گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے'' (۷/۷۸)۔ ''جن لوگوں نے ظلم و سرکشی برتی انہیں ایک زوردار کڑک نے آ لیا۔ صبح ہوئی تو سب اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے۔ (وہ اچانک یوں مر گئے) گویا کبھی ان گھروں میں رہتے ہی نہ تھے''۔ (۱۱/۶۷۔۶۸)۔ حضرت صالحؑ اور ان پر ایمان لانے والے لوگوں پر کیا بیتی، ملاحظہ فرمائیے۔ ''پھر جب ہماری طے کردہ وعید (عذاب) کا وقت آن پہنچا تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بچا لیا۔ (اے رسولؐ) بے شک تیرا رب ہی ہے جو قوی اور عزیز ہے'' (۱۱/۶۶)۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم انتہائی قبیح عادت کی شکار تھی۔ جناب لوط کی تبلیغ کا بھی وہی اثر ہوا جو اقوام گذشتہ کے سلسلے میں بیان ہو چکا ہے۔ بہت کم لوگ ایمان لائے۔ اکثریت اپنی بے راہ روی پر قائم رہی بلکہ متشدد ہوتی گئی۔ انجام کار اللہ تعالیٰ نے جناب لوط کو عذاب خداوندی کی اطلاع دینے اور انہیں اور ان کے پیروکاروں کو وہاں سے نکالنے کے لئے مرسلین روانہ کئے۔ تو قوم کے سرکش و بدخو طبقہ نے ان پر بھی نظر بد ڈالی (۱۵/۷۳۔۷۵)۔ قرآن اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ جب عذاب خداوندی کا وقت آن پہنچا تو ''ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش برسائی اور دیکھو مجرمین کا کیسا انجام ہوا'' (۷/۸۴)۔ مزید فرمایا گیا کہ ''پس جب ہماری طے شدہ بات (یعنی عذاب) کا وقت آنا پہنچا تو (اے رسولؐ) ہم نے اس بستی کی بلندیاں پستیوں میں بدل دیں اور اس میں آگ سے پکے ہوئے پتھر مسلسل برسائے جو اس غرض سے اللہ نے نشان زد کر رکھے تھے۔ یہ بستی ان ظالموں (یعنی کفار مکہ) سے کچھ زیادہ دور نہیں۔ لہٰذا یہ اگر چاہیں تو عبرت پکڑ سکتے ہیں''۔ (۱۱/۸۲۔۸۳)۔ قوم لوط پر عذاب خداوندی کی تمام آیات کو اکٹھا کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑوں میں آتش فشاں دھماکوں سے پہاڑوں کا ٹوٹنا اور اس ٹوٹ پھوٹ سے ہونے والی پتھروں کی بارش، زلزلہ اور ہولناک گرجدار کڑک جیسی آفات ان پر نازل کی گئی تھیں (۱۵/۷۳۔۷۵)۔ اس عذاب کے نتیجے میں تمام کے تمام بدکردار اور مجرمین ہلاک ہو گئے۔ جناب لوط اور ان کے متبعین نے تقریباً نصف شب کے وقت وہ علاقہ چھوڑ

دیا۔ (۶۶۔۱۵/۶۱)۔ ''عذاب صبح کے وقت نازل کیا گیا'' (۱۱/۸۱)۔ مومنین کے متعلق رب العزت نے فرمایا ''واخرجنا من کان فیھا من المومنین'' (۵۱/۳۵)۔ (ترجمہ) ''پس ہم نے اس بستی میں سے جتنے ایمان والے تھے ان کو نکال لیا''۔ یہ تھی داستاں اس قوم کی جن میں حضرت لوطؑ کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔

ان قوموں کے علاوہ قرآن نے اور بھی اقوام کا ذکر اس سلسلے میں کیا ہے۔ مثلاً اصحاب الفیل (۱۰۵/۱۔۵)' اصحاب الحجر (۱۵/۸۰۔۸۴)' اصحاب الاخدود (۸۵/۴)' قوم مدین اور اصحاب لایکہ وغیرہ۔ مگر ہم بخوف طوالت مندرجہ بالا چار اقوام کی سرگذشت کا جائزہ لینا ہی کافی سمجھتے ہیں۔

(الف) سب سے پہلی بات جو ان واقعات میں مشترک ہے وہ ہے خدا کے ایک رسول کا نزول کسی سرکش و ظالم قوم کی طرف۔ قوم کی طرف سے انکار' رسول کی طرف سے عذاب کی وعید اور پیشگی اطلاع' مہلت کا وقفہ' ظالمین کا استہزاء اور آخرکار عذاب خداوندی۔ سلسلہ نبوت چونکہ رسول اقدس ﷺ کی ذات گرامی پر ختم ہو چکا ہے لہٰذا آج کے دور میں عذاب خداوندی بصورت طبیعی حوادث کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو شخص طبیعی حوادث کو عذاب خداوندی آج کے دور میں قرار دیتا ہے وہ گویا ختم نبوت کے عقیدے پر ضرب لگانا چاہتا ہے۔ خدا ہمیں اس بدعقیدگی سے محفوظ رکھے۔

(ب) عذاب خداوندی کے نتیجے میں تباہی صرف مجرمین پر آتی تھی۔ خود انبیائے کرام اور ان کے پیروکاروں کو بچا لیا جاتا تھا۔ یہ اس خدائے عادل و منصف کی سنت کے عین مطابق ہے جو کسی بے گناہ پر مصیبت نہیں ڈالا کرتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں پاکستان کے حالیہ زلزلہ اور دیگر ممالک میں آنے والے سابقہ طبیعی حوادث میں مجرمین اور بے گناہوں میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔ بلکہ معصوم بچوں' گھریلو خواتین اور معاشرے کے پسے ہوئے طبقے کے افراد زیادہ تعداد میں جاں بحق ہوئے۔ اس سے ہم اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حالیہ زلزلہ خدائے عادل و منصف کی طرف سے بطورِ سزا نہیں تھا جس میں اتنی بڑی تعداد میں معصوم لوگ جاں بحق ہوئے۔ اگر ایک لمحے کے لئے بھی یہ باور کر لیا جائے کہ یہ عذاب خداوندی تھا تو اس سے خدائے بزرگ و برتر کی صفت عدل پر (خاکم بدہن) حرف آتا ہے۔

(ج) تیسری بات جو نہایت اہم ہے اور غور کے قابل۔ جس قوم پر اللہ عذاب بھیجتا ہے ان افراد کو بچانا یا بچانے کی کوشش کرنا اللہ کے ہاں سختی سے منع ہے۔ حضرت

نوح علیہ اسلام نے اپنے سگے بیٹے کو عذاب خداوندی سے بچا کر کشتی میں بٹھانا چاہا مگر اللہ نے ایسا کرنے سے منع کر دیا (۱۱/۴۲۔۴۶)۔ آپ کی بیوی بھی ایمان لانے والوں میں سے نہ تھی چنانچہ نہ بچائی جا سکی۔ حضرت لوطؑ سے اللہ کے فرستادوں نے کہا کہ جب رات کا ایک حصہ گذر جائے تو اپنے آدمیوں کو لے کر اس بستی سے نکل جائیے۔ مگر آپ کی بیوی آپ کے ساتھ نہیں جا سکے گی۔ جو کچھ اوروں پر گذرتا ہے اس پر بھی گذرے گا۔ (۱۱/۸۱)۔ ان آیات سے واضح طور پر نتیجہ نکلتا ہے کہ جو قوم یا افراد غیض وغضب الٰہی کا ہدف ہوں ان کو بچانا یا بچانے کی کوشش کرنا معصیت خداوندی ہے۔ یعنی اللہ اس قوم کے افراد کو عذاب دے رہا ہے اور امداد کرنے والوں کی ساری کوششیں اور حمایتیں اللہ کی بجائے اس مغضوب قوم کے ساتھ ہیں۔ خدا ہمیں ایسی معصیت سے دور رکھے۔ آپ ذرا حالیہ زلزلے کے متاثرین کی بحالی کے لئے جاری امدادی کاموں میں حصہ لینے والی ان مذہبی جماعتوں کی قلبی کیفیت کا اندازہ کیجئے کہ وہ دل و دماغ کی پوری یکسوئی کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ جو زخمی بچ گئے ہیں اور جو ملبے تلے زندہ پھنسے ہوئے ہیں اور یہ جو لاکھوں بے خانماں لوگ خیموں اور اشیائے خورونوش کی ضرورت مند ہیں یہ عذاب خداوندی کی لپیٹ میں آئے ہوئے ''مجرمین'' ہیں۔ مگر اس کے باوجود یہ مذہبی تنظیمیں ان بے خانماں افراد کی بحالی کیلئے امدادی کاموں میں حصہ لے رہی ہیں۔ ان سے صرف یہ سوال پوچھئے کہ کیا اللہ کے منع کرنے کے بعد حضرت نوح نے اپنی بیوی اور بیٹے کو کشتی میں سوار کر لیا تھا؟ کیا لوطؑ نے علاقہ چھوڑتے وقت اپنی بیوی کو اپنے ہمراہ کر لیا تھا؟ ایک سچے مومن کا شعار تو احکامات خداوندی کی پیروی ہی ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں کے ان ''مومنین'' اور ''مجاہدین'' کو ذرا دیکھئے۔ عقیدہ ان کا یہ ہے کہ یہ زلزلہ عذاب خداوندی اور قہر الٰہی تھا۔ مگر عمل حضرات انبیائے کرام کی سنت کے بالکل برعکس۔ یہ ہے حال ہمارے ہاں کے احبار ورھبان کا۔ سچ کہا تھا شاعر مشرق نے ؎

میں جانتا ہوں' انجام اس کا
جس معرکے کے' ملا ہوں غازی

ہم سمجھتے ہیں کہ مذہبی جماعتوں کی تنظیمیں صرف اس عوامی دباؤ کے پیش نظر ان امدادی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہیں مبادا کل کوئی یہ کہہ دے کہ مذہبی جماعتوں نے متاثرین زلزلہ کی راحت کاری کے لئے کچھ نہیں کیا۔

عذاب خداوندی کی قرآنی مثالوں کے پیش نظر یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حالیہ زلزلہ عذاب خداوندی یا قہر الٰہی نہ تھا۔ بلکہ پاکستان کے غریب' محنت کش اور

معصوم لوگ اس طبیعی حادثہ کا شکار ہو گئے۔ پاکستان کے غیور عوام کو داد نہ دینا بے انصافی ہوگی جنہوں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر ہمارے ان مصیبت زدہ بھائیوں کی بحالی کے لئے جی بھر کر اور دل کھول کر امداد دی۔ اگر کہیں وہ ہمارے احبار و رہبان کی پھیلائی ہوئی نفرت کے جال میں الجھ کر رہ جاتے تو بہت سی جانیں جو بچالی گئیں ضائع ہو جانے کا امکان تھا۔ یہ محض ہماری عوام کا جذبۂ ایثار اور انسانیت ہی تھا جس سے مجبور ہو کر طوعاً و کرھاً مذہبی جماعتوں کو بھی ان امدادی کاموں میں حصہ لینا پڑا۔

زمین کے مرکز میں آتش فشاں سیال ہر دم مصروف کار رہتا ہے۔ طبیعی قوانین خداوندی کے تحت زیر زمین تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ اسی سے زلزلے وجود میں آتے ہیں۔ سمندروں میں اور خشکی پر آندھیاں (Cyclones) چلتی ہیں۔ جس سے ہوائی اور آبی طوفان برپا ہو جاتے ہیں۔ پرانے زمانے میں بھی ایسا کچھ طبیعی قوانین خداوندی کے تحت ہوتا تھا اور آج بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ حوادث ان قوموں کے اخلاقی زوال کا نتیجہ (Effect) نہیں ہوتے تھے مگر انہیں ان قوموں کی تباہی کا سبب (Cause) بنا دیا جاتا تھا۔ اس قوم کو آنے والی تباہی کی خبر بذریعہ رسول کر دی جاتی تھی۔ رسول کو کہہ دیا جاتا تھا کہ وہ یا تو اپنے ساتھیوں سمیت علاقے سے نکل جائے یا اس تباہی سے محفوظ رہنے کی تدبیر کر لے۔ حضرت نوحؑ نے کشتی بنا کر محفوظ رہنے کا بندوبست کر لیا جبکہ دیگر نے علاقہ چھوڑ کر خود کو اور متبعین کو بچا لیا۔ ان تمام سرگذشتوں میں اگر کوئی عنصر مافوق الفطرت یا مابعد الطبیعاتی (Metaphysical) تھا تو فقط اس قدر کہ آنے والی تباہی کی خبر پیشگی رسول کو بذریعہ وحی کر دی جاتی تھی۔ رسول کو آنے والے حادثے کا قبل از وقت علم دے دیا جاتا تھا اور وہ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی حفاظت کا مناسب انتظام کر لیتا تھا۔ لیکن حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد یہ مابعد الطبیعاتی عنصر بھی ختم ہو گیا۔

ان طبیعی حوادث سے حفاظت یا ان سے پہنچے ہوئے نقصان کی تلافی طبیعی اسباب سے ہی ممکن ہے۔ اس میں بداعمالیوں یا نیک عملیوں کا کوئی کردار نہیں ہوتا۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی قوم اجتماعی طور پر بددیانت یا بدعنوان ہو کر اپنے ملک کے نظم و نسق سے غافل ہو جائے تو ان کی اس بدنظمی کی وجہ سے اس قسم کے طبیعی حوادث اس قوم کی بربادی کا باعث بن جائیں۔ جو قوم اپنے نظم و نسق کو درست خطوط پر استوار رکھے وہ ایسے نقصانات سے محفوظ رہ سکتی ہے یا ان کی تلافی فوراً کر لیتی ہے۔ پہلے زمانے میں بھی یہی اصول کارفرما تھا اور آج بھی یہی اصول سرگرم عمل ہے۔ البتہ ان قوموں کو خبردار کرنے والے

''رسول'' اب نہیں آئیں گے۔ ان قوموں کے اہل علم اور دیدہ ور یہ کام کریں گے۔ سائنسدان' انجینئرز اور ماہرین ارضیات یہ کام بخوبی سرانجام دے رہے ہیں۔ جس کے نتیجے میں آندھیوں (Cyclones)' خشک سالی' سیلاب اور دھند وغیرہ کے بارے میں قبل از وقت معلوم کرنا بہت حد تک ممکن ہو چکا ہے۔ البتہ آتش فشانی زلزلوں کے بارے میں قبل از وقت اطلاع کے بارے میں تحقیقات جاری ہیں۔ جوں جوں انسانیت اپنا ترقی کا سفر طے کرتی جائے گی اس سلسلے میں بھی کامیابیاں حاصل ہوتی جائیں گے۔

جو کوئی ان اہل علم اور دیدہ وروں کی بات مان لے گا تباہی سے محفوظ رہے گا' جو نہ مانے گا برباد ہو جائے گا۔ جاپان کے ان ''دیدہ وروں'' کے مشوروں پر عمل کر کے حکومت جاپان نے لچکدار (Shock Proof) عمارات تعمیر کیں۔ اب وہاں زلزلہ آتا ہے تو یہ عمارتیں ''ھل ھلا'' کر واپس اپنی جگہ پر ساکن ہو جاتی ہیں اور ان کے مکین تباہی سے محفوظ و مامون رہتے ہیں۔ جس قوم کے انجینئرز ''مارگلہ ٹاورز'' میں ناقص میٹریل استعمال کریں گے اس قوم کے افراد لازماً ملبے تلے دب جائیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغا شورش کاشمیری (مرحوم)

شاھکار رسالتؐ

(ایک معرکہ آرا تصنیف)

(عجمی تخیلات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔علامہ اقبالؒ اور غلام احمد پرویزؒ)

علامہ اقبالؒ نے تشکیل جدید الٰہیات کے پانچویں خطبہ میں فرمایا تھا:

''اگر قوم کے زوال و انحطاط کو روکنا ہے تو اس کا یہ طریق نہیں کہ ہم گذشتہ تاریخ کو بے جا احترام کی نظر سے دیکھنے لگیں یا اس کا احیاء خود ساختہ ذرائع سے کریں۔''

چودھری محمد احسن کے نام حضرت علامہؒ نے ایک خط میں لکھا (ملاحظہ ہو اقبال نامہ) کہ:

''میرے نزدیک مہدیت و مسیحیت کے متعلق جو احادیث ہیں وہ ایرانی و عجمی تخیلات کا نتیجہ ہیں۔ انکا عربی تخیلات اور قرآن کی صحیح سپرٹ سے کوئی سروکار نہیں۔''

ایک دوسرے خط میں جو مولوی سراج دین کے نام ہے علامہؒ فرماتے ہیں:

''ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں ان کو عربی اسلام' اس کے نصب العین اور اس کی غرض و غایت سے آشنائی نہیں۔''

انوار اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار (صفحہ 193-192)۔

ڈاکٹر سید یامین ہاشمی کے نام علامہؒ کا ایک خط ہے' فرماتے ہیں:

''میری رائے میں عجمیت ایشیا کے مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہوئی ہے۔ اس باطل کے خلاف جہاد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ عجمیت کا اثر مذہب' لٹریچر اور عام زندگی پر غالب ہے۔''

محمد دین فوق کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

''عربی اسلام ہندوستان میں ایک فراموش چیز ہے۔'' (انوار اقبالؒ صفحہ 66)۔

ارمغان حجاز کا وہ مصرع۔ ع

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ

اقبالؒ کے اس شدید تاریخی احساس ہی کا نتیجہ تھا۔

☆☆☆

محولہ بالا اشارات (اقتباسات) کا اقتضاء تھا کہ دانشوران اقبال اس موضوع پر قلم اٹھاتے اور اسلامیات کی تاریخ میں عجمی اثرات کا جائزہ لیتے لیکن کسی اقبالی نے اس پر غور نہیں کیا' نہ اس طرف توجہ کی اور نہ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے راستہ کی اس سب سے بڑی روک کو دور کیا۔ اغلب خیال ہے کہ وہ اس کے اہل ہی نہ تھے اور ایک دوسرا خیال یہ بھی ہے کہ ان کی رُوپہلی اور طلائی مصلحتوں میں اس کا حوصلہ ہی نہ تھا۔

☆☆☆

دو روز پہلے مولانا تاج محمود (لائل پور) کی معیت میں ایک فاضل دوست سے ملاقات ہوئی تو وہاں دوران گفتگو اسلامیات میں عجمی اثرات کا ذکر آ گیا۔ اس دوست نے جناب غلام احمد پرویز کی تازہ کتاب ''شاہکار رسالتؐ (عمر فاروقؓ) کا ذکر کیا کہ اسکا مطالعہ ہر علم دوست کا فرض ہے۔ اقبالؒ نے جس عجمی سازش کو خطوط و خطبات میں اشارۃً بیان کیا۔ شاہکار رسالتؐ اس کا تفصیلی مرقع ہے۔ بڑے سائز کے 528 صفحات کی اس کتاب میں چودھواں باب بہ عنوان (شعلہ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد) کے تقریباً سو صفحات عجمی سازش کی تفصیلات سے متعلق کئی ہزار تاریخی صفحات کا نچوڑ ہیں۔ اس جامع باب کو ایک جامع کتاب کی خصوصیت حاصل ہے۔ ہر ضمنی عنوان کے تحت اس کی تفصیل موجود ہے۔ کوئی سی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ اگر کوئی سوال ذہن میں ابھرتا ہے تو اس کا جواب انہی مباحث میں نکل آتا ہے۔ حتیٰ کہ مطالعاتی طبیعت بھی کوئی نہ کوئی نیا نکتہ حاصل کر پاتی ہے۔

☆☆☆

جہاں تک پوری کتاب کا تعلق ہے' راقم نے ابھی تک اس کا مطالعہ نہیں کیا۔ صرف چودھواں باب ہی بالاستیعاب پڑھا ہے۔ ظاہر ہے کامل مطالعہ کے بعد ہی پوری کتاب پر نقد و نظر کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ لیکن چودھویں باب کے مطالعہ سے فارغ ہو کر راقم نے محسوس کیا کہ:

(۱) پرویز نے عجم سے متعلق اقبالؒ کی ذہنی تگ و دو کو اپنے قلم کی معرفت' حقائق و معارف کے تاریخی سانچہ میں ڈھالا اور اندھیروں کو اجالوں سے متعارف کیا ہے۔

(۲) کتاب کے متعلق جیسا کہ عرض کیا قبل از مطالعہ رائے دینا مشکل ہے۔ انشاءاللہ یہ فرض بھی جلد ادا ہوگا۔ لیکن چودھواں باب تاریخ اسلام کے سیاسی و علمی مصائب کی ایک تجزیاتی کہانی اور فی الجملہ عجم کے ہاتھوں اسلام پر کیا گزری کی' روداد ہے۔

(۳) ہو سکتا ہے کسی دائرے میں یا کسی پہلو سے بعض اکابر علماء اور محقق فضلاء کو اساسی یا جزوی اختلاف ہو لیکن راقم نے پرویز سے متعلق اپنے مستعار نظریے میں' جو علمائے کرام کے فتوے کی بدولت ذہن پر نقش تھا' ایک خوشگوار تبدیلی محسوس کی۔ فی الجملہ پرویز اپنی سیاسی شدتوں اور شخصی عصبیتوں کے

باوجود اسلام کے تاریخی ذہن سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ پر سوچتے ہیں۔ ان کے دل میں سرگزشت اسلام کی ویرانیوں پر شدید ہلچل ہے اور وہ مسلمانوں کی نئی پود کے ذہنی اضطراب کو دور کرنے کے لئے عصری افکار کے لہجہ میں اسلام کی اساس پر ان سے ہمکلام ہوتے ہیں۔

(۴) محولہ باب کے مباحث ذیل کے عنوانوں پر ہیں۔ مثلاً۔

مسلمانوں کی طاقت کا راز کیا تھا؟ مسلمانوں سے قرآن چھڑا دینے کی باطنی تحریک کا آغاز اور اسکے نتائج۔ ایران وروما کی فتوحات اوران کا فرق۔ یزدگر کے دستہ خاص کا قبول اسلام۔ فتح قادسیہ کے بعد ایرانی ردعمل' کوفہ وبصرہ میں ایرانیوں کی آبادکاری۔ عجمی سازش کے دو نمایاں محاذ۔ روایات کا طلسم خانہ۔ مسئلہ خلافت' حق وراثت کے سیاسی مضمرات' اہل ایران کا اپنے شہنشاہوں سے متعلق عقیدہ' عبداللہ بن سباء۔ رجعت کا عقیدہ۔ امامت کا منصوص تصور۔ کفر وایمان کا خط امتیاز۔ مستند شیعی روایات۔ حضرت سلمان فارسیؓ۔ بنی امیہ اور بنوعباس کی رقابتیں۔ سادات وعلوی۔ ابو مسلم خراسانی۔ برامکہ۔ فاطمین مصر۔ دیلمی حکومت۔ بغداد کا شیعی دور۔ عباسی سلطنت کا خاتمہ۔ ایرانیوں نے کتنی مدت بعد جنگ قادسیہ کا انتقام لیا۔ اسلام کی اساسات۔ مختلف فرقے اور ان کے ساختہ پرداختہ نظریے۔ محرف قرآن۔ باطنی معانی۔ محدث کا عقیدہ۔ کاشانۂ نبوت پر ذہنی آتشبازی۔ جامعینِ حدیث' سنیوں کے عقائد پر عجمی اثرات۔ جمعِ قرآن سے متعلق شکوک وشبہات۔ ناسخ ومنسوخ کا عقیدہ۔ حدیث کا مقام۔ ابن جریر طبری کون تھے؟ طبری کی تاریخ۔ اسلام دین نہ رہا مذہب ہوگیا۔ آیۂ استخلاف کا مفہوم بدل گیا۔ مذہب وسیاست میں ثنویت۔ قانون سازی کے امکان کا خاتمہ۔ نظام سرمایہ داری کا احیاء۔ تقدیر کا عقیدہ۔ تقدیر سے متعلق روایات۔ تصوف کی حقیقت۔ ابن عربی۔ اساساتِ تصوف۔ باطنی علم کی سند۔ جہاد کے خلاف عجمی یلغار (افکار ملخص اور ان عوارض و امراض کا علاج جو مسلمانوں کے وجود کو اجتماعی طور پر لاحق ہو چکے ہیں۔

(۵) پرویز صاحب سے متعلق دینی حلقوں میں تسلسل و تواتر سے یہ فضا قائم رہی ہے کہ وہ منکر حدیث ہیں۔ لیکن انہوں نے جن شگفتہ الفاظ میں اپنے عقیدہ کی صراحت کی ہے اس کے بعد معاملہ صاف ہوجاتا ہے۔

راقم استفساراً علماء سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث جمع کیں اور کانٹ چھانٹ کے بعد صرف 2762 باقی رکھیں۔ امام مسلمؒ نے تین لاکھ مدون کیں اور باقی 4348 رہنے دیں۔ امام ترمذیؒ نے تین لاکھ اکٹھا کیں اور 2115 کو مرتب کیا۔ امام ابوداؤدؒ نے پانچ لاکھ فراہم کیں اور 4800 کو احاطہ تحریر میں لائے۔ ابن ماجہؒ نے چار لاکھ کا ذخیرہ کیا اور کتاب میں چار ہزار نقل کیں۔ امام نسائیؒ نے دو لاکھ کے خزانہ میں 4321 کو

اپنے مجموعہ میں درج کیا۔لیکن پرویز کی چھاڑ اس الزام میں کرنا کہ وہ احادیث کو تسلیم نہیں کرتے اس کی بنیاد کیا ہے؟ پرویز ان احادیث کو واقعی تسلیم نہیں کرتے جو قرآن پاک کی تعلیمات کے خلاف ہیں اور جنہیں سرور کائناتﷺ کے ارشادات سے کوئی سی نسبت ہی نہیں۔ایسی احادیث خلافت راشدہ کے بعد بعض ملوکانہ مصلحتوں کے تحت وضع کی گئیں یا عجمی سازش نے اپنے سانچوں میں ڈھال کے انہیں رسول اللہﷺ سے منسوب کیا۔ایک مبحث یا مسئلے کو' جو تاریخ اسلام کا عصری مضمون ہے اور نئی پود کے دماغ اس سے دوچار ہیں' واقعہ یہ ہے کہ ہمارے مقتدر علماء۔اپنی یلغار سے اس کو ٹال نہیں سکتے اور نہ یہ مسئلہ یا مبحث کفر واسلام سے متعلق ہے۔نئی پود کی سوچ کیا ہے؟ پرویز نے اسی کی نمائندگی کی اور اپنی ذہنی جدوجہد سے اسلام کے دامن سے عجمی گرد جھاڑی ہے۔بعض طبیعتوں کو شاید یہ گوارا نہیں لیکن علم کو غصہ سے روکنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔

(۶) پرویز صاحب نے اسی باب میں اپنے عقیدے کی وضاحت کی ہے۔فرماتے ہیں:

''میں نہ سنی ہوں نہ شیعہ۔میرا تعلق کسی بھی فرقہ سے نہیں۔قرآن کریم کا طالب علم ہوں۔اور میرا عقیدہ بلکہ ایمان یہ ہے کہ خدا کی یہ کتاب عظیم دین میں سند و حجت ہے اور حق و باطل کے پرکھنے کا واحد معیار۔کوئی عقیدہ' نظریہ' تصور' مسلک' مشرب' جو اس کے خلاف جاتا ہو میرے نزدیک درست نہیں' خواہ اس کی نسبت کسی طرف بھی کیوں نہ کی گئی ہو۔اگر اس قسم کا کوئی عقیدہ بزرگان سلف میں سے کسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے خواہ ان کا تعلق کسی فرقے سے ہو تو ان حضرات کے احترام کے پیش نظر میں یہی کہتا ہوں کہ ان کی طرف اس کی نسبت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ انہوں نے ایسا نہیں کہا ہوگا۔''(صفحہ 499)۔

ان الفاظ کے بعد پرویز کی شرعی چھاڑ لائق اعتنا نہیں رہتی۔ ایک مسلمان کے لئے قرآن کے مقابلہ میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کا مختلف المعنی قول حجت نہیں بلکہ اس سے اِبا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

''شاہکار رسالت'' مضمون وموضوع کی عمدگی کے علاوہ کتابت و طباعت کے اعتبار سے بھی ایک اعلیٰ کتاب ہے۔اس کا مطالعہ نظر وفکر کی بہت سی راہیں کشادہ کرتا اور اسلام کے مثالی نظامِ ریاست کا جیتا جاگتا مرقع ہے۔علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں کہ عمر بھر وہ اس کی آرزو کرتے رہے' اس کتاب کو مسلمانوں کی ذہنی سوانح عمری کہا جائے تو صحیح ہوگا۔

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف میں

پرویز صاحب سے ہمیں خود کئی دوائر میں اختلاف ہے لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے ہمارے ذہن میں ان کے لئے احترام کی ایک خاص فضا پیدا ہوگئی ہے۔اقبال عجم کے متعلق جو چاہتے تھے' شاہکار رسالت ان کی اسی خواہش کا علمی مرقع اور تاریخی

شہ پارہ ہے۔

پرویز کے خلاف فتوے واپس لیجئے۔

ایڈیٹر چٹان کو آج تک جناب غلام احمد پرویز سے ذاتی نیاز حاصل نہیں ہو سکا۔ کبھی ان سے بالمشافہ ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن ان کی عظیم کتاب شاہکار رسالتؐ پڑھنے کے بعد ایڈیٹر چٹان کو یقین ہو چکا ہے کہ اپنی اس کتاب کی بدولت پرویز بارگاہ رسالتؐ میں سرخرو ہو کر باریاب ہوں گے اور یہ کتاب ان کے لئے توشہ آخرت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ان فضلاء کے ساتھ انہیں جگہ دیں گے جن کے دل اسلام کے لئے ہر دور میں دھڑکتے رہے ہیں۔

غلطیاں ہر انسان سے ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے صلحائے امت کے نزدیک کسی مقام پر ان کے قلم کو ٹھوکر لگی ہو۔ آخر وہ ایک انسان ہیں۔ لیکن ان کے سچا مسلمان ہونے میں کوئی شک نہیں۔ وہ قرآنی فکر کی ایک فاضل شخصیت ہیں۔ علماء سے دردمندانہ گزارش ہے کہ وہ محض فروعات کا شکار نہ ہوں۔ شاہکار رسالت کا مطالعہ کریں اور ضرور کریں۔

ان کی بلند فکر کے نزدیک پرویز صاحب سے کبھی تفقہ فی الدین میں کوئی چوک ہوئی ہے تو انہیں محبت سے مطلع کریں تا کہ ایک سچا دل اپنی ''کوتاہی'' کا جائزہ لے سکے۔۔ حقیقت یہ ہے کہ پرویز بھی افکار اسلام کی کربلا میں حسینی قافلہ کی ایک آواز ہیں۔ علماء کو ان سے متعلق اپنا فتویٰ واپس لینا چاہئے۔ (چٹان' مورخہ 13/5/1974)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی

ایڈیٹر، ڈیلی ٹائمز، کے نام

ڈیلی ٹائمز پاکستان کا واحد انگریزی اخبار ہے جو لبرل ہونے کے علاوہ Leftist بھی ہے۔ اس کے اداریے بڑے معلومات افزا اور تعمیری تنقید پر منحصر ہوتے ہیں۔ مورخہ 7/12/05 کا اداریہ مذہبی دہشت گردی کے متعلق ہے اور خاص طور پر گلگت کی دہشت گردی کے اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ یہ اداریہ سات پیراگرف پر مشتمل ہے اور اس قابل ہے کہ اس پورے اداریہ کا ترجمہ تحریر کیا جائے لیکن ترجمہ کرنا محنت طلب اور Time-Consuming ہوتا ہے۔ اس لئے اس پورے اداریہ کا ترجمہ تو درج نہیں کیا جاتا البتہ اس میں ایک فقرہ ایسا ہے جو تفصیلی تبصرہ کا متقاضی ہے۔ اس میں تحریر ہے۔

Islamic states tend to be Dectarian. Iran is overtly a Shia state where the Sunnis may find themselves discriminated against. The Sunni utopia created by Talban in Afghanistan was intensly Sectarian and anti-Shia.

اس کا آزاد ترجمہ یہ ہے۔

اسلامی حکومتوں کا رجحان فرقہ بندی کی طرف ہوتا ہے۔ ایران ظاہر بظاہر ایک شیعہ سٹیٹ ہے وہاں سنیوں سے امتیازی سلوک کیا جا سکتا ہے۔ سنیوں کی مثالی حکومت بھی جو طالبان نے افغانستان میں قائم کی تھی وہ بھی شدت سے فرقہ پسند اور شیعہ دشمن تھی۔

اس پوری مختصر سی تحریر میں صرف پہلا فقرہ کہ اسلامی حکومتیں فرقہ پسند ہوتی ہیں، قابل توجہ ہے۔ سب سے پہلے تو اس بات کا افسوس ہوتا ہے کہ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ کس طرح قرآن کریم کے درست نظریات سے ناواقف اور خلاف قرآن نظریات سے متاثر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مروجہ اسلام میں یہی نظریات عام ہیں، یہ حضرات چونکہ صرف مغربی علوم کے ماہر ہیں اور قرآن کریم پر براہ راست دسترس نہیں رکھتے، اس لئے

ظاہر ہے کہ ان حضرات کی رسائی قرآن کی صحیح تعلیم تک نہیں ہوسکتی۔ ان کی حاصل کردہ تعلیم کے پیش نظر ان سے اس بات کی توقع کرنا بھی درست نہیں ہے۔ یہ ہماری خامی اور کمزوری ہے کہ ہم نے ان تک قرآن کریم کے درست نظریات نہیں پہنچائے ورنہ یہ حضرات مذہبی تعصب سے پاک ہوتے ہیں۔ اگرچہ ہمارے علمائے کرام عموماً اپنے عقائد اور اپنے خیالات سے اس درجہ مغلوب ہوتے ہیں کہ وہ دوسروں کی بات توجہ سے نہیں سنتے۔ لیکن یہ طبقہ کھلے دل سے درست بات سننے کو تیار بھی ہوتا ہے' اور معقول بات کو جلدی قبول بھی کر لیتا ہے۔

مملکتوں کے سلسلہ میں عرض ہے کہ آج مملکتوں کے بارے میں چار طرح کی مملکتوں کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔

(۱) سیکولر سٹیٹ۔ (۲) تھیاکریسی۔ (۳) مذہبی سٹیٹ۔ (۴) دینی قرآنی سٹیٹ۔

پہلی طرح کی سٹیٹ کو سیکولر کہا جاتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق کائنات کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مادہ اور توانائی کسی طرح وجود میں آ گئے۔ اس کے بعد مادہ اور توانائی میں اندھی فطرت کے قوانین کے تحت تغیرات ہوتے چلے گئے۔ ان ہی تغیرات سے یہ سلسلہ کائنات جاری ہے۔ جب توانائی کم ہو جائے گی تو مادہ کے ذرات کا شیرازہ بکھر جائے گا اور اس طرح یہ کائنات ختم ہو جائے گی۔ نہ تو اس کائنات کو کسی نے تخلیق کیا ہے اور نہ ہی اس کے بنانے میں کسی اعلیٰ ہستی کا ہاتھ ہے اور نہ ہی کوئی ایسی ہستی ہے کہ جو سفر زندگی میں اس کی راہنمائی کرے' انسانی راہنمائی کے لئے عقل انسانی کافی ہے۔ عقل کے علاوہ علم کا اور کوئی سرچشمہ نہیں ہے جو انسان کی راہنمائی کر سکے۔ اس نظریہ کے مطابق وحی کا کوئی بھی تصور باطل ہے۔ اس نظریہ کو مادی نظریہ حیات کہا جاتا ہے اور اسی نظریہ پر سیکولرازم کا نظام قائم ہوتا ہے۔ سیکولرازم کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس میں معاشرہ کو قانون سازی کا پورا پورا اختیار ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں عموماً سیکولرازم کی واضح Definition سامنے نہیں آتی۔ ہمارے ٹی وی چینلز پر بھی سیکولرازم کے متعلق جب گفتگو ہوتی ہے' تو شرکاء مجلس عموماً اس موضوع کو الجھا دیتے ہیں اور Confuse کر دیتے ہیں۔ لیکن مختصراً سیکولرازم کی کسی اساس و بنیاد یہ ہے کہ اس میں عقل انسانی پر کوئی بھی اور کسی بھی قسم کی پابندی نہیں ہوتی ہے۔ یہ قانون سازی کے سلسلہ میں بالکل آزاد ہے۔ یہاں تک کہ اس میں مختلف ممالک میں لواطت و سحاقت جیسے شنیع افعال کو بھی جائز قرار دے دیا ہے۔

سیکولر سٹیٹ کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ

اس میں قوانین کو دوام و استمرار حاصل نہیں ہوتا یہ اپنے قوانین اور قدریں (Values) تبدیل کر سکتی ہے۔ عقل انسانی چونکہ اپنے حالات سے متاثر ہوتی ہے اس لئے سیکولر سٹیٹ کے قوانین ہمیشہ حالات حاضرہ سے متاثر ہوتے ہیں۔ دوسری بڑی خامی اس سٹیٹ کی یہ ہے کہ یہ قوانین سازی میں صرف اپنے ملک کے مفاد کو پیش نظر رکھتی ہے۔ پوری انسانیت کا مفاد ان کے پیش نظر نہیں ہوتا۔ اس طرح یہ سٹیٹ وہ قوانین تشکیل کرتی ہے جو صرف ان کے ملک کے لئے تو فائدہ مند ہوں' لیکن وہ دوسرے ممالک کے لئے نقصان دہ ہوتے ہیں۔ ان کی واضح مثال آج کل کے امریکن قوانین کی ہے کہ وہ جب بھی چاہتے ہیں دوسروں پر حملہ کرنے اور Preemptive قسم کے قوانین بنا لیتے ہیں۔ تیسری خامی اس حکومت کے قوانین کی یہ ہے کہ اگر مجرم کسی طرح سے بھی پہلے سے اپنی حفاظت کا انتظام کرے تو وہ قانون کی گرفت میں نہیں آتا اور نہ ہی اسے کوئی سزا ملتی ہے۔ اور اس طرح جرائم عام ہوتے چلے جاتے ہیں اور طاقتور لوگ جرائم کرنے کے باوجود قانون کی گرفت میں نہیں آتے۔ یہ حکومت کسی طرح بھی جرائم نہیں روک سکتی۔ جرائم صرف اس وقت رک سکتے ہیں کہ جب انسان از خود جرائم کرنے سے مجتنب رہے۔ اور یہ صورت صرف اسلامی حکومت میں ہو سکتی ہے' جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

دوسرا نظام حکومت تھیا کریسی کا ہوتا ہے۔ اس میں مذہبی پیشواؤں کی حکومت ہوتی ہے اس میں مذہبی راہنما اپنے وضع کردہ قوانین کو خدا کے نام کی طرف منسوب کر کے رائج کرتے ہیں۔ مذہبی پیشوا چونکہ قدامت پرست اور توہم پسند ہوتے ہیں اور ان کا رویہ دنیا سے منفیانہ (Negative) ہوتا ہے' اس لئے ان کے قوانین نہایت خشک' دنیا بیزاری پر قائم اور تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ ان میں رواداری اور لچک کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا۔ اس طرح پوپ اور پیشواؤں کی حکومت تھیا کریسی نے انسانیت پر جو مظالم کئے دوسری حکومتوں نے اس طرح کے مظالم نہیں کئے۔ چونکہ ان کے ہاں سند اور آخری (Authority) واضح اور متعین نہیں ہوتی اس لئے وہ ہر قسم کے قوانین بنا کر خدا کی طرف منسوب کر کے' جاری کر دیتے ہیں۔ جنسی بدنہادی (Sex Perversion) ان کے ہاں عام ہوتی ہے۔ اس کی معلومات حاصل کرنے کے لئے کسی خاص کوشش کی ضرورت نہیں ہے۔ یورپ کی ازمنہ وسطیٰ کی تاریخ سے ذرا بھی واقفیت اس کے جرائم اور مظالم معلوم کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔

حکومت کی تیسری قسم مذہبی حکومت ہے۔ یہ

ایک طرح کی سیکولر حکومت ہوتی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہوتا ہے کہ اول الذکر سیکولر حکومت میں مذہب کا کوئی دخل نہیں ہوتا جیسے کمیونسٹ اور سوشلسٹ حکومتیں ہیں' لیکن مذہبی سیکولر حکومت میں مذہب کو دخل ہوتا ہے اس میں مذہبی لوگوں کو عبادت کرنے اور مختلف اعتقادات اختیار کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ مذہب سے متعلق انہیں اپنے پرسنل لاز اختیار کرنے کی بھی اجازت ہوتی ہے۔ لیکن حکومت چلانے میں ان مذہبی چیزوں کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اسے مذہب اور سیاست کی ثنویت کہتے ہیں اور قرآن کریم کی رو سے یہ مشرکانہ حکومت ہوتی ہے۔ یہ زندگی کے ایک حصہ یعنی مذہبی حصہ میں ایک خدا کو مانتی ہے اور زندگی کے دوسرے حصہ' یعنی سیاست میں انسانوں کو آخری سند تسلیم کرتی ہے۔ ثنویت کا یہ نظام جسے قرآن نے مشرکانہ انداز حکومت کیا ہے' آج کل جمہوریت میں رائج ہے' وہ اسے سیکولر کہتے ہیں۔ اس تفصیل سے آپ نے اندازہ فرمایا ہوگا کہ سیکولر نظام دو طرح کا ہوتا ہے' ایک وہ جس میں اللہ تعالیٰ کا نام تک نہیں آتا' اور دوسرا وہ جس میں مذہبی آزادی ہوتی ہے لیکن حکومت انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق چلتی ہے' اس میں خدا کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ قرآن کریم کی رو سے سیکولرازم کے یہ دونوں نظام باطل ہوتے ہیں۔ اول الذکر کافرانہ ہے اور ثانی الذکر مشرکانہ۔ اول الذکر سیکولر کافرانہ نظام میں کوئی دھوکہ و التباس نہیں ہوتا لیکن ثانی الذکر نظام میں مسلمان اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ہمیں مذہبی آزادی حاصل ہے اور ہم اس حکومت میں اسلام کے تمام تقاضے پورے کر رہے ہیں۔ یہ وہ نظام ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے ارشاد فرمایا ہے۔ وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون (۱۲/۱۰)۔ اور اکثر ایسے لوگ ہیں کہ وہ خدا کے قانون کو مانتے تو ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اور قوتوں کو بھی صاحب اختیار تسلیم کرتے ہیں اور اس طرح مومن کہلانے کے باوجود مشرک کے مشرک رہتے ہیں۔ (ترجمہ از مفہوم القرآن)۔

حالیہ دور میں سب مسلم ممالک میں اس طرح کی حکومتیں جاری ہیں ان میں کچھ میں جمہوریت ہے اور کچھ میں ملوکیت اور کچھ میں ڈکٹیٹرشپ ہے۔ لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ان سب میں اسلام بحیثیت ''مذہب'' کے رائج ہے ان سب ممالک کی قدر مشترک یہی ہے کہ ان میں اسلام ''مذہب'' کے طور پر جاری ہے اور یہی ان سب مسلم ممالک کے زوال کا مشترک سبب ہے کیونکہ مذہب ہمیشہ زوال پذیر ہوتا ہے۔ مذہب خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ اور داخلی نفسیاتی تجربہ

ہوتا ہے' اس میں ہر فرد اپنی نجات کا متمنی ہوتا ہے اس میں عالمگیر فلاح کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ دوسرا سبب ان ممالک کے زوال کا یہ ہے کہ ان سب مسلم ممالک میں ایک ہزار سال کے پرانے بنائے ہوئے قوانین جاری ہیں جن کا اکثر و بیشتر حصہ قرآن کریم کے خلاف ہے۔ یہ قوانین ہر فرقہ کے الگ الگ ہیں' اسی لئے ان حکومتوں میں فرقہ بندی کا ہونا لازمی ہے' اور اسی کی طرف اخبار مذکور نے اشارہ کیا ہے اخبار مذکور کی یہ غلطی ہے کہ اس نے اسلامی سٹیٹ کے الفاظ تحریر کئے ہیں۔ اسے چاہئے تھا کہ وہ مسلم سٹیٹ کے الفاظ استعمال کرتا' تو کوئی خلاف حقیقت بات نہ ہوتی۔ اصل یہ ہے کہ یہ اسلامی سٹیٹ نہیں ہوتیں' اس لئے اس میں فرقہ بندی ہوتی ہے۔ اسلامی سٹیٹ جس کی نشاندہی آگے آتی ہے' اس میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ کہ اس میں تو فرقہ بندی کبھی بھی نہیں ہوسکتی۔ فرقہ بندی مذہبی سٹیٹ میں ہوتی ہے۔ کیونکہ فرقہ بندی مذہب میں ہوتی ہے۔ دین میں فرقہ بندی نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے دینی حکومت میں بھی فرقہ بندی نہیں ہوسکتی۔

حکومت کی چوتھی قسم قرآنی یا دینی حکومت ہے اور اس مضمون کا موضوع بھی یہی قرآنی یا دینی حکومت ہے اور اس حکومت کی وضاحت کرنے کی وجہ سے یہ مضمون زیر تحریر ہے۔ ہم مسلمانوں میں چونکہ صدر اول کے بعد سے اسلام کے نام سے مذہبی حکومتیں رائج ہیں' اس لئے دینی حکومت جو قرآن کریم کا مقصود اصلی ہے اور جو قرآن کریم کی خالص تعلیم پر مبنی ہوتی ہے' وہ کبھی قائم نہیں ہونے دی جاتی۔ پاکستان کو حاصل کرنے کا اصل مقصود بھی اس دینی حکومت کا قیام تھا۔ چونکہ صدر اول کے بعد سے کبھی دینی حکومت قائم ہی نہیں ہوئی۔ اور عوام مذہبی حکومت کو ہی دینی حکومت خیال کرتے رہے اس لئے دینی حکومت سے متعلق معلومات بھی کم ہیں اور اس کے متعلق تحریری مواد بھی بہت کم دستیاب ہے۔ لیکن اس عرصہ سے پیشتر کے دور میں ایک ہزار سال کے بعد اس حکومت کا تصور علامہ اقبال نے دیا۔ انہوں نے اس کا تصور عام کیا۔ لیکن انہوں نے اس کے لئے کوئی جامع مضمون تحریر نہیں فرمایا۔ یہ خوش بختی اور سعادت' علامہ حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری کے حصہ میں آئی کہ انہوں نے اس موضوع پر ایک جامع مضمون قبل تقسیم تحریر فرمایا۔ پھر اس موضوع کو عام کرنے کی ذمہ داری طلوع اسلام نے اپنے سر لی۔ اس موضوع پر طلوع اسلام میں ایک مبسوط مضمون ''اسلامی نظام'' کے عنوان سے طبع ہوا' اور پھر اس کے بعد ہزاروں ہزار صفحات اس موضوع کے متعلق تحریر کئے گئے۔ دینی حکومت کا موضوع چونکہ نیا ہے' اس لئے اس میں حد درجہ نکارت ہے۔ قارئین کرام سے

درخواست ہے کہ وہ اس موضوع پر توجہ سے غور فرمائیں۔

جن امور کو مذہبی احکام کہا جاتا ہے وہ چند اخلاقی ہدایات یا پوجا پاٹ کی رسوم پر مشتمل ہوتے ہیں۔ لوگ انفرادی طور پر ان کی پابندی کر لیتے ہیں لیکن اسلام کا تصور اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہ ایک نظام حیات ہے جو اجتماعی شکل میں قائم کیا جا سکتا ہے۔ حضورﷺ نے سب سے پہلے اسلامی حکومت تشکیل فرمائی جس کی سنٹرل اتھارٹی حضورﷺ خود تھے۔ اس مملکت میں احکام خداوندی کی اطاعت سے مقصود ان قوانین کی اطاعت تھی جسے یہ سینٹرل اتھارٹی رائج کرتی تھی۔ یہ صورت نہیں تھی کہ قرآنی احکام پر جس طرح جس کا دل چاہا اسی طرح اس نے عمل کر لیا' بلکہ ہر مسلمان کے لئے یہ فرض اولیں تھا کہ وہ حضورﷺ کی طرف سے جاری کردہ احکامات کی اطاعت کرے اور اسی کا نام اللہ و رسول کی اطاعت تھا۔

عملی صورت میں اس بات پر اس طرح غور فرمائیں کہ آیات کریمات کی صورت میں احکامات خداوندی نازل ہو رہے تھے۔ چوری کی سزا کے سلسلہ میں السارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما (۵/۳۸)۔ چور مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ دو' نازل ہوا' تو یہ نہیں ہوتا تھا کہ جس کے مال کی چوری ہوئی' اس نے اپنے محلّہ کے لوگوں کو جمع کر کے' اس چور کے ہاتھ کاٹ دیئے۔ بلکہ وہ شخص جس کے ہاں چوری ہوئی ہے' وہ اس معاملہ کو حضورﷺ کے پاس لے جاتا تھا اور حضور بطور سینٹرل اتھارٹی کے' تفتیش و تحقیق کے بعد اس کی سزا کا حکم جاری فرماتے تھے۔ زنا اور سب حدود کے معاملات کا فیصلہ بعینہٖ اسی طرح ہوتا تھا۔ سزاؤں کے علاوہ معاشرتی معاملات میں بھی مثلاً اگر کسی شخص کو اپنی بیوی کو طلاق دینی ہوتی تھی تو یہ نہیں ہوتا کہ اس نے گھر میں طلاق دے دی بلکہ قرآنی احکامات کے مطابق' حضورﷺ یا حضور کے مقرر کردہ افسران (اولی الامر) اس کے متعلق احکامات جاری فرماتے تھے۔ اس سے بھی واضح صورت جہاد کے احکامات ہیں آپ خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ جب جہاد کی آیات نازل ہوئیں تو یہ نہیں ہوا کہ جس نے یہ آیات کریمات سنی وہ تلوار لے کر فوری طور پر کسی پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا بلکہ حضور خود جہاد کا فیصلہ فرماتے تھے اس کے لئے باقاعدہ تیاری کی جاتی تھی اور حضور کی اپنی سرکردگی میں لوگ جہاد کے لئے نکلتے تھے اور اس طرح حضورﷺ کے احکامات بطور سینٹرل اتھارٹی کے جاری ہوتے اور ان احکامات کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہوتی تھی۔

حضورؐ صاحب نورﷺ' کے بعد خلافت راشدہ میں خلفاء راشدینؓ کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت

تھی۔ بدقسمتی سے وہ نظام منقرض ہوگیا اور ہم اللہ ورسول کی اطاعت کرنے سے قطعاً محروم ہو گئے۔ آج ساری دنیا میں ایک گز زمین پر بھی وہ نظام قائم نہیں ہے اور پوری انسانیت اللہ و رسول کی اطاعت سے بالکل محروم ہے۔ اب جو حضرات اللہ ورسول کی اطاعت کے خواہش مند ہوں تو ان پر لازم ہے کہ وہ اس دور میں بھی قرآن کا نظام قائم کریں اور اس طرح اس کی اطاعت سے اللہ و رسول کی اطاعت کریں۔ ہمارے نزدیک حضورﷺ کی تشریف براری کے بعد حضورؐ کی اطاعت کے لئے حضورؐ کا زندہ جانشین ہونا لازمی ہے۔ جبکہ ہمارے علماء کرام حضور کی اطاعت کرنے کے لئے حضور کے جانشین کو ضروری نہیں سمجھتے بلکہ وہ حضور کے بعد روایات کی اطاعت کرنے کو حضورﷺ کی اطاعت کرنے کے مرادف خیال فرماتے ہیں اور اس طرح وہ بزعم خویش' اللہ و رسول کی اطاعت کے فرض کی ادائیگی کر لیتے ہیں اور نیز یہ کہ اس طرح وہ اسلامی نظام یا دین کے قیام کی ضرورت سے بھی سبکدوش ہو جاتے ہیں اور اس طرح یہ علماء کرام دینی حکومت قائم کرنے میں مانع ہوتے ہیں۔

کسی بھی حکومت کے احکامات زندہ اتھارٹی کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتے۔ ہمارے علمائے کرام کی بنیادی لغزش یہی ہے کہ وہ زندہ اتھارٹی کو ضروری نہیں سمجھتے۔ قرآن کریم نے زندہ اتھارٹی کی سماعت اور اس سماعت کے بعد اس کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے اس موضوع پر کئی مضمون راقم سطور کے طلوع اسلام میں آ چکے ہیں آپ وہ ملاحظہ فرمالیں۔ بار بار تحریر کرنے سے قارئین کرام کا وقت ضائع ہوتا ہے۔

اخبار مذکور نے اسلامی حکومت کو فرقہ بندی سے متہم کیا ہے تو یہ اخبار مذکور کی کمئ اطلاعات کی بنا پر ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں کسی طرح کی فرقہ بندی نہیں ہوتی۔ اس میں پہلی بات تو یہ دیکھنے کی ہے کہ فرقہ بنتا کس طرح ہے۔ جب دین مذہب میں تبدیل ہوتا ہے تو فرقہ بنتا ہے اور اس میں سابقہ کے وضع کردہ قوانین کا نفاذ ہوتا ہے لیکن جب اسلام بطور نظام کے قائم ہوتا ہے تو سابقہ کے وضع کردہ قوانین کو صرف نظائر (Precedents) کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور اسلامی حکومت قرآن کریم کی حدود کے اندر خود قوانین جاری کرتی ہے جس پر عمل کرنے کے لئے ہر شہری پابند ہوتا ہے اور اس طرح فرقہ بندی کی لعنت ختم ہو جاتی ہے۔

اس کی عملی شکل یہ ہے کہ اب ہمارے ہاں سنی اور شیعہ حضرات مختلف اوقات پر روزہ کھولتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں حکم ہے کہ واتموا الصیام الی

الیل () اورروزے کورات تک پورا کرو' لیکن قرآن نے لیل کو Define نہیں کیا۔ اس بارے میں دونوں فرقے کے فقہا کا اختلاف ہے۔ سنی حضرات نے لیل کو قدرے پیشتر شروع کیا اور شیعہ علماء اس کو دیر میں شروع کرتے ہیں اور اس طرح فرقے کا فرق محسوس طور پر سامنے آ گیا۔ لیکن یہ جب تک ہے جبکہ آپ مذہب کی سطح پر رہ کر سابقہ قوانین کی پابندی کے مکلّف ہیں۔ جونہی اسلامی حکومت بنی وہ خود رات کا تعین کرے گی کہ اس وقت رات ہوگی اور پھر ہر شہری اسی وقت روزہ کھولنے پر مجبور ہوگا۔ اسی طرح چور کی سزا ہے۔ قرآن کریم نے چور کی تعریف کی اور نہ ہاتھ کی۔ اسی وجہ سے شیعہ سنی میں اختلاف ہے۔ شیعہ صرف انگلیاں کاٹنے میں پہنچے اور سنی کلائی تک۔ اب اسلامی حکومت طے کرے گی کہ ''ید'' سے کیا مفہوم ہے اور اس تعریف کے مطابق چور کی سزا ہو گی۔ اسی طرح تمام معاملات کا فیصلہ حکومت کرے گی' جس کی پابندی ہر شہری کرے گا اور پھر فرقہ کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی۔

دینی حکومت سے متعلق جو ہمارے عوام اور مغربی تعلیم یافتہ حضرات کو معلومات کم ہیں تو اس کی دو وجوہات ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ دین کا تصور کسی سابقہ مذہب میں نہیں تھا اسی وجہ سے دوسری زبانوں میں اس کا ترجمہ مذہب کے مرادف لفظ سے کیا گیا ہے۔ انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ Religion اسی وجہ سے کیا گیا کہ انگریزی میں کوئی لفظ دین کے مرادف ہے ہی نہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ صدر اول کے بعد سے دین کسی جگہ متمکن ہوا ہی نہیں کہ لوگوں کو دینی حکومت سے واقفیت ہو۔ نیز یہ کہ صدر اول کے بعد سے ملوکیت اور پیشوائیت نے مل کے اس کے تصور کو اس طرح محو کیا کہ ہمارے ایک ہزار سالہ لٹریچر میں اس کا سراغ نہیں ملتا۔ اس لئے ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ اس سے واقف نہیں ہے اور اسی وجہ سے اخبار مذکور نے یہ تحریر کیا کہ اسلامی حکومت فرقہ پسند ہوتی ہے۔

اسلامی دنیا میں عموماً اور ہمارے ہاں پاکستان میں خصوصاً ماڈریشن (Moderation) کا بہت چرچا ہو رہا ہے۔ ماڈریشن اور رواداری لانے سے پیشتر یہ بات غور کرنے کی ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہمارے میں ماڈریشن نہیں ہے۔ ہمارے میں ماڈریشن نہ ہونے کا اصل سبب دین کا مذہب میں تبدیل ہو جانا ہے۔ مذہب تو By Definition ہوتا ہی قدامت پسند' تنگ نظر اور توہم پرست ہے۔ جب آپ مذہب میں ایک ہزار سال کے سابقہ قوانین جاری کریں گے اور ان کو تبدیل کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہوگی' تو خود بخود ماڈریشن جاتی رہے

گی۔ ماڈریشن اور رواداری لانے کا واحد علاج یہ ہے کہ آپ دین کا نظام جاری کر دیں فرسودہ قوانین ونظریات' خلاف قرآن اعتقادات کو مسترد کر دیں۔ صرف قرآن کریم کی تعلیم کو سامنے رکھیں اور اس کی حدود میں موجودہ حالات کے تقاضوں کے مطابق نئے سے نئے قوانین تشکیل دیں۔ ماڈریشن خود بخود آ جائے گی۔ اس کے علاوہ تنگ نظری دور کرنے اور ماڈریشن لانے کا اور کوئی طریقہ نہیں۔ اس بات کو آپ بغور ملاحظہ فرمالیں کہ آپ ہزار کوشش کر لیں' مذہب میں ماڈریشن آ ہی نہیں سکتی کیونکہ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

مضمون کے درمیان میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ اسلامی حکومت میں جرائم ازخود کم ہوتے چلے جاتے ہیں' تو اس کی وضاحت مضمون کے آخر میں کی جائے گی تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اسلامی مملکت میں عدل وانصاف حاصل کرنے کے لئے جو طریقے اختیار کئے جائیں گے' وہ خود جرائم کو کم کرتے چلے جاتے ہیں۔

تمام مملکتوں میں مستغیث مجرم کے خلاف مدعی ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اسلامی حکومت اپنی اصل کے اعتبار سے ہر شہری کے حقوق کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے' اس لئے اس کی یہ منفرد خصوصیت ہے کہ اس میں مستغیث حکومت کے خلاف دعویٰ کرتا ہے اور خود حکومت کو مدعی علیہ بناتا ہے کیونکہ مملکت نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی ہر متاع کی حفاظت کرے گی۔ اگر کسی نے اس کی متاع کو جبراً اس سے چھین لیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مملکت نے اس شخص سے وعدہ خلافی کی ہے اس لئے اس کے نزدیک اس کا مجرم نظام مملکت ہے نہ کہ وہ فرد مخصوص جس نے یہ ارتکاب جرم کیا ہے۔ اب یہ نظام مملکت کا کام ہے کہ وہ اس نقصان کو مجرم سے پورا کرتا ہے یا وہ خود اس نقصان کو پورا کرتا ہے۔ مملکت کا فریضہ تو اس مظلوم یا اس مظلوم کے وارثوں کی پوری پوری مدد کرنا ہے۔ فقد جعلنا لولیه سلطانا فلا یسرف فی القتل انه کان منصوراً (۱۷/۳۳)۔ اگر مملکت مظلوم کے نقصان کی تلافی نہیں کرتی تو وہ اس کی پشت پناہ کیسے ہوسکتی ہے اور حامی و ناصر ہونے کا دعویٰ کس طرح کرسکتی ہے۔

دوسری خصوصیت اس مملکت کی' قصاص پر عمل کرنا ہے۔ ہمارے ہاں عموماً اس کا مفہوم مجرم سے پورا پورا بدلہ لینا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اصل میں اس کے معنے مجرم کا اس طرح تعاقب کرنا ہے کہ وہ سزا کے بغیر نہ رہ جائے۔ اسے لازماً سزا ملے۔ قرآن کریم اس نظام تفتیش کا نام کہ جس میں ہر شخص کو لازماً سزا ملے قصاص رکھتا ہے اور قصاص کو حیات اجتماعیہ کا راز قرار دیتا ہے۔ ولکم

فی القصاص حیٰوۃ یاولی الباب (۲/۱۷۹)۔

سزا تجویز کرتے وقت مجرم کی ذہنی سطح' اس کی تعلیم وتربیت اوراس کے معاشرتی حالات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم نے لونڈیوں کی سزا شریف عورتوں کی سزا سے نصف رکھی ہے (۴/۲۵)۔ کیونکہ یہ لونڈیاں جن حالات میں پرورش پاتی تھیں' ان کے حالات کے پیش نظر' ان سے بلند اخلاق کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی تھی اس کے برخلاف حضورﷺ کی ازواج مطہرات کے لئے قرآن کریم نے دوگنی سزا مقرر فرمائی تھی کہ اگر ان سے کسی جرم کا ارتکاب ہوتا' تو انہیں دوگنی سزادی جاتی (۳۳/۳۰)۔

جب تک جرم ثابت نہیں ہوتا' ملزم بے گناہ تصور کیا جائے گا اورضروری ہے کہ معاشرہ اس سے حسن ظن سے کام لے۔ سورہ نور میں ہے کہ مدینہ شریف میں بعض لوگوں نے کسی عورت کے خلاف تہمت تراشی اور لوگوں نے اس افواہ کو عام کر دیا۔ اس پر قرآن کریم نے یہ ہدایت دی کہ جب تم نے یہ خبر سنی تھی تو تمہارا ردعمل ہونا چاہئے تھا کہ ھٰذا افک مبین (۲۴/۱۲)۔ قرآن کریم کی یہ ایک مستقل راہنمائی ہے کہ ملزم کے متعلق سوءظن سے کام نہیں لینا چاہئے۔

قانون کے نافذ ہونے سے پیشتر اگر کسی سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے تو وہ مجرم شمار نہیں ہوگا۔ کسی بھی قانون کا اطلاق گزشتہ عرصہ سے نہیں ہوسکتا۔ ہر قانون کا اطلاق اس کے نفاذ کے بعد سے شروع ہوگا۔ قرآن کریم میں کئی احکام کے سلسلہ میں کہا گیا ہے الا ما سلف (۴/۲۳)۔ جو اسی سے پیشتر ہوگیا اس پر کوئی گرفت و مواخذہ نہیں ہے۔

جرائم کو روکنے اوراس کا مکمل انسداد کرنے کا اصل طریقہ یہ ہے کہ انسان کو اس بات پر پکا یقین ہو کہ اس کی زندگی کا مقصود اصلی یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کی پرورش کرے اور یہ کہ نفس کی پرورش مستقل اقدار کے مطابق عمل کرنے سے ہوتی ہے اور مستقل اقدار کی خلاف ورزی سے نفس میں اضمحلال پیدا ہوتا ہے۔ اس بات پر جس قدر ایمان و ایقان ہوگا انسان اسی قدر جرائم سے مجتنب رہے گا۔ شرط صرف اس پر یقین کی ہے۔ اگر کوئی شخص سخت بھوکا ہے اوراس کو خوراک کی سخت احتیاج ہے' لیکن وہ اس حالت میں بھی کبھی کھانا نہیں کھائے گا جس میں زہر ملا ہوا ہو' کیونکہ اس کو یقین ہے کہ وہ خوراک اس کی موت کا سبب بن جائے گی۔ اسی طرح سے اگر قرآن میں مندرج مستقل اقدار کے اثرات مرتب ہونے کا اسی طرح یقین ہو تو وہ شخص کبھی جرم نہیں کرے گا' کیونکہ اس کو

اس بات کا یقین ہے کہ جرم سے اس کا نفس مضمحل ہوگا۔ جرائم کی روک تھام باہر سے سزا Impose کرنے سے نہیں ہوسکتی' جب تک کہ اندر سے اس کو روکنے کی urge نہ ہو۔

جرائم کی روک تھام کرنے کا دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ اسلامی مملکت کی اطاعت کو اللہ و رسول کی اطاعت قرار دیا جائے تو ہر شخص اس مملکت کی اطاعت بخوشی کرے گا اور جرائم سے مجتنب رہے گا۔ اسلامی حکومت کی جس قدر اطاعت ہوگی' اسی قدر تقویٰ میں اضافہ ہوگا اور جرائم کی از خود روک تھام ہوگی۔ اور کوئی شخص بھی اسلامی حکومت کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔

اس حکومت کے عدل و انصاف کے ان طریقوں اور جرائم کے انسداد کے ان اقدامات سے قرآنی حکومت' اپنی اصل میں منفرد اور نوع انسانی کی پرورش کرنے والی ہوتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشفاق احمد (جاپان)

کیلنڈر

اسلام سے قبل بھی عربوں کے ہاں کعبہ کی بڑی اہمیت تھی۔ مذہبی نقطہ نگاہ سے کعبہ ہی ان کا مرکز تھا۔ حج اُن کے ہاں صدیوں سے چلا آ رہا تھا جس کے لئے وہ عموماً بڑے اہتمام سے پہنچا کرتے تھے۔ عرب ویسے تو بڑی جنگجو قوم تھی۔ عام طور پر مالِ غنیمت کی خاطر ہی وہ سارا سال آپس میں لڑتے رہتے تھے لیکن پھر بھی حج کی اہمیت کے پیشِ نظر انہوں نے سال میں چار مہینے ایسے رکھ چھوڑے تھے کہ جن میں جنگ نہ ہو۔ قافلے نہ لوٹے جائیں تاکہ لوگ اطمینان سے حج کے لئے آئیں اور پھر حج کے موقعہ پر بھی امن اور سکون رہے۔

ذرائع آمدورفت تیز نہیں تھے اسی لئے حج کے لئے آنے اور جانے میں کافی وقت صرف ہوتا تھا۔ حج کے لئے انہوں نے تین مہینے ذیقعدہ، ذوالحج اور محرم رکھے تھے جن میں جنگ نہیں ہوتی تھی۔ یعنی ایک مہینہ حج والا' ایک اُس سے پہلے اور ایک بعد میں۔ عمرے کے لئے بھی ایک مہینہ مقرر تھا جس میں جنگ رُک جاتی تھی اور وہ مہینہ تھا رجب کا۔

جنگ بندی کے یہ مہینے اُن کے ہاں کی روایت بن چکے تھے اور یہ چیز اُنہوں نے باہمی رضا مندی سے قبول کر رکھی تھی۔ بہرحال یہ ایک اچھی چیز تھی۔ قرآن نے بھی اس روایت کو اپنے ہاں قائم رکھا۔ نفسیاتی طور پر بھی اگر دیکھا جائے تو جنگ یا لڑائی میں اگر کچھ وقت کے لئے جنگ بندی کروا دی جائے تو دوبارہ لڑائی جذبات کے ٹھنڈے پڑنے کی بنا پر اس شدت سے شروع نہیں ہو سکتی۔

عربوں کے ہاں کیلنڈر سورج کے حساب سے نہیں رکھا جاتا تھا بلکہ وہ چاند کے حساب سے مہینوں کا تعیّن کرتے تھے۔ زمین اپنے مدار کے گرد چکر 24 گھنٹوں میں مکمل کرتی ہے جس کو ایک دن کہتے ہیں۔ پھر زمین کا سورج کے گرد چکر تقریباً 365 دن میں مکمل ہوتا ہے جس کو ایک سال کہتے ہیں۔ اس کو 12 پر تقسیم کیا جائے تو سال کے بارہ مہینے بنتے ہیں اور اس طرح ہر مہینہ

تقریباً ساڑھے تیس دن کا ہوتا ہے۔ چاند کے حساب سے اگر کیلنڈر رکھا جائے تو نیا چاند نکلنے پر مہینہ شروع ہوتا ہے۔ چاند کا زمین کے گرد چکر 1/3 27 میں مکمل ہوتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب سورج اور چاند دونوں زمین کے ایک طرف (ایک سمت) ہوتے ہیں اور اس کی وجہ سے چاند کا تاریک حصہ زمین کی طرف ہوتا ہے اِس لئے اُس وقت زمین سے چاند نظر نہیں آتا۔ جب چاند ایک یا دو دن میں سورج سے ذرا مشرق کی طرف نکل جاتا ہے تو پھر ہمیں نظر آتا ہے جسے نیا چاند نکلنا کہتے ہیں۔ ہر نیا چاند تقریباً ساڑھے انتیس دن بعد نظر آتا ہے۔ اس کو ایک قمری مہینہ کہتے ہیں۔ ایسے بارہ مہینے ہوں تو تقریباً 354 دن بنتے ہیں۔ یعنی قمری سال شمسی سال سے تقریباً 11,10 دن پہلے ختم ہو جاتا ہے۔

کسانوں کے ہاں ہر فصل کی بوائی اور کٹائی کے لئے خاص موسم متعین ہیں اور موسم کی تبدیلی سورج کے حساب سے ہوتی ہے۔ چاند کے حساب سے اگر کیلنڈر رکھا جائے تو ہر سال 10 دن کم ہونے کی وجہ سے موسم کے تعین کے سلسلہ میں دشواری پیش آتی ہے۔ اس دشواری کا حل عرب یہ کرتے تھے کہ ہر تیسرے سال ایک مہینے کا اضافہ کر دیتے تھے جس کو لوند کا مہینہ کہا جاتا تھا۔ یعنی اس سال (بارہ 12) کی بجائے (تیرہ 13) مہینے کا سال شمار کرتے تھے تاکہ موسم کے ساتھ مطابقت پیدا ہو جائے۔ اس اضافی مہینے کا طریق کار ہندوؤں کے ہاں بھی تھا۔ یہودی بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

اگر یہ بات صرف موسم کے تعین کے لئے ہوتی تو کچھ فرق نہیں پڑتا تھا کہ ہر تیسرے سال موسم کے ساتھ مطابقت کے لئے 12 کی بجائے 13 مہینے کر لئے لیکن جب بات یہ طے کرنے کی ہو کہ وہ کون سے مہینے ہیں جن میں اس سال جنگ نہیں ہوگی تو معاملہ بڑا اہم ہو جاتا تھا۔

اب یہاں مذہبی پیشوائیت اور مفاد پرست عناصر کا گٹھ جوڑ شروع ہوتا تھا۔ کعبے کے جو مہانت تھے ان میں ایک قبیلہ وہ تھا جس کی ذمہ داری یہ طے کرنے کی تھی کی اُس سال یعنی 13 مہینے والے سال میں وہ کون سے مہینے ہوں گے جن میں جنگ حرام ہو گی۔ وہ قبیلہ دوسروں سے ساز باز کر کے کچھ اور مہینے طے کر دیتا کہ اس سال حرمت کے یہ مہینے ہیں ان میں جنگ اور لوٹ مار نہیں ہوگی۔ اپنی مرضی کا فیصلہ لینے والے قبائل دوسرے قبائل پر چڑھائی کر دیتے۔ بعض دفعہ جنگ ہوتی اور بعض دفعہ خوب لوٹ مار۔ لٹنے والے قبائل کہتے کہ یہ تو حرمت کے مہینے تھے ان میں ایسا کچھ کیوں ہوا۔ معاملہ کعبے کے مہانتوں کے پاس پہنچتا۔ وہ کہتے کہ ہم نے تو اعلان کر دیا تھا کہ اس سال یہ حرمت کے مہینے ہوں گے اگر کسی نے نہیں سنا تو ہمارا کیا قصور۔ یہ تھی صورتِ حال زمانہ قبل از اسلام کی۔

قرآن جب قانون دیتا ہے تو وہ اس قسم کی باتوں کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔قرآن میں ہے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ '' حُرُمٌ '' ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (التوبة36:9)

یاد رکھئے! قانونِ خداوندی کی رو سے سال کے بارہ مہینے ہیں اور یہ بات اُس دن طے ہوگئی تھی جس دن ارض وسمٰوٰت کی تخلیق ہوئی تھی ان میں چار مہینے وہ ہیں جن میں جنگ حرام ہے اور یہ محکم دین ہے۔

لٰہذا' قرآن کے مطابق سال کے بارہ مہینے ہی ہوسکتے ہیں تیرہ نہیں اور یہ بات متعین شدہ ہوگی۔ کسی خاص گروہ کی طرف سے اس میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی۔

اب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ چاند کے حساب سے کیلنڈر کیوں رکھا جاتا تھا۔ جو قوم بھی تحریری حساب کتاب نہ رکھ سکتی ہو وہ عموماً چاند کے حساب سے مہینے کا تعین کرتی ہے یہ اُس کے لئے آسان ہوتا ہے۔ سورج کے حساب سے تو ہر روز ایک جیسا دن ہوتا ہے اور ایک جیسی رات ہوتی ہے۔کب مہینہ شروع ہوا اور کب ختم ہوگیا پتہ نہیں چلتا۔ چاند کے حساب سے شمار کیا جائے تو نیا چاند نکلنے پر نیا مہینہ شروع ہوتا ہے۔ چودہ تک تو یہ بڑھتا ہے پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ جب پھر نیا چاند نمودار ہوتا ہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ ایک مہینہ مکمل ہوگیا۔ مہینے کے دوران بھی چاند کو دیکھ کر لوگ اندازہ کر لیتے ہیں کہ آج کون سی تاریخ ہے۔

عرب جیسی صحرا نورد قوم جہاں ایک قبیلہ یہاں اور دوسرا دس میل کے فاصلے پر ہو اور جو لکھنا پڑھنا بھی بالکل نہیں جانتے تھے وہ تحریری حساب کتاب کیسے رکھتے۔ ذرائع رسل ورسائل بھی بالکل نہیں تھے۔ ایسے میں ان کے لئے یہی آسان تھا کہ وہ اپنے ہاں مہینے کے تعین کے لئے چاند کے ذریعے سے حساب رکھتے۔ ہمارے ہاں بھی ابھی کل تک گاؤں کے لوگ چاند کے حساب سے ہی مہینوں کا شمار کرتے تھے۔

لیکن جہاں تحریری حساب کتاب عام ہو جائے وہاں سورج کے حساب سے کیلنڈر زیادہ آسان (Convenient) ہو جاتا ہے۔ ایک تو اس لئے کہ سورج کے حساب سے موسم کے تعین میں دشواری پیش نہیں آتی۔ دوسرا یہ حساب طے شدہ (acurate) ہوتا ہے۔ چاند کے متعلق تو یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتا (جدید ٹیکنالوجی کے بغیر) کہ یہ آج رات نظر آئے گا یا نہیں۔ بہر حال قرآنِ کریم کی رو سے یہ (Sanction) موجود ہے کہ سورج ہو یا چاند دونوں کے مطابق حساب رکھا جا سکتا ہے۔ جب علمی سطح پست ہو تو چاند کے حساب سے اور جب علمی سطح بلند ہو جائے اور

تحریری حساب کتاب عام ہو جائے تو سورج کے حساب سے بھی رکھا جا سکتا ہے۔

قرآن پہلے تو تمام آسمانی کُروں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰسٓ 40:36)

ہر کرہ اپنے اپنے مدار میں قانونِ خداوندی کے مطابق مصروفِ گردش ہے۔

ہمارا حساب کتاب سورج یا چاند کے مطابق ہوتا ہے اسلئے ان کے متعلق بھی کہا کہ

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ

(الرّحمٰن 5:55)

سورج اور چاند نہایت محکم حسابی قاعدے کے مطابق چل رہے ہیں۔

اوران کی یہ منزلیں اس لئے مقرر کی گئی ہیں کہ

لِتَعْلَمُوْا عَدَدَالسِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ط

(یونس 5:10)

تا کہ تم ان سے سالوں کی گنتی اور مختلف قسم کے حساب کر سکو۔

سورج اور چاند دونوں خدا کے تخلیق کردہ ہیں۔ دونوں کے ساتھ حساب رکھا جا سکتا ہے۔ یاد رکھئے! چاند کے ساتھ حساب اسلامی اور سورج کے ساتھ حساب غیر اسلامی بالکل نہیں ہے۔ بلکہ جب قرآن کا پیش کردہ نظام عالمگیر شکل اختیار کرے تو سورج کے ساتھ حساب زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ ویسے بھی ہمارے روز مرہ کے معمولات سورج کے حساب سے ہوتے ہیں۔ فصلوں کی بوائی اور کٹائی موسم کے لحاظ سے ہوتی ہے اور موسم سورج کے حساب سے تبدیل ہوتے ہیں۔

نمازوں کے اوقات بھی سورج کے حساب سے ہیں۔ فجر کا وقت سورج نکلنے تک۔ ظہر کا وقت جب سایہ اپنے اصل سے تھوڑا بڑھ جائے۔ عصر کا وقت جب سایہ اپنے اصل سے دوگنا ہو جائے۔ مغرب کا وقت غروبِ آفتاب۔ عشاء کا وقت جب سرخ دھاری سیاہ داری میں اچھی طرح بدل جائے۔ اسی طرح روزہ سورج نکلنے سے کچھ دیر پہلے شروع ہوتا ہے اور سورج غروب ہونے پر افطار ہوتا ہے۔

اسی طرح دیگر معمولات کے لئے بھی حساب کتاب سورج کی رو سے ہوتا ہے۔ لیکن جب مہینے کے تعین کا معاملہ ہو تو چاند کے حساب سے تعین کس طرح ضروری اور لازمی ہو سکتا ہے جبکہ تحریری حساب بھی عام ہو چکا ہو۔ ذرائع رسل و رسائل بھی عام ہو چکے ہوں اور یہ لوگوں کو زیادہ آسان بھی لگے۔ اس کے علاوہ موسم کے تعین کے سلسلے میں بھی دشواری پیش آتی ہو۔

اس کا ایک حل تو یہ تھا جو عرب کرتے تھے کہ

موسم کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لئے ہر تیسرے سال 13 مہینے کا سال کر دیتے لیکن قرآن نے کہا ہے کہ مہینے بارہ ہی ہیں تیرہ نہیں ہیں۔ دوسرا حل یہ ہے جو موجودہ طرز پر چل رہا ہے۔ دونوں کا بیک وقت استعمال' موسم کا تعین اور دیگر روزمرہ کے معمولات اور نماز روزہ سورج کے حساب سے اور مہینے کے تعین کے لئے چاند۔

چاند کے ساتھ حساب رکھنے میں دشواری یہ پیش آتی ہے کہ اس کے ساتھ حساب اندازاً (Approximately) ہوتا ہے متعین شدہ (Acurate) نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ چاند پوری دنیا میں ایک دن (Same day) نظر نہیں آتا۔ کہیں ایک دن اور کہیں دو دن کا فرق آجاتا ہے۔ اس طرح جو مسئلہ پیش آتا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ ساری امت میں انتشار نظر آنے لگتا ہے۔ چاند دیکھنے کے لئے امت میں سر پھٹول شروع ہو جاتا ہے۔ رویئت ہلال کمیٹیاں بنتی ہیں۔ مذہبی پیشوائیت یہ مقدس فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ کمیٹی کے ارکان عموماً عمر کے اُس حصہ میں ہوتے ہیں کہ جب دیکھنے کی صلاحیت بھی خاصی محدود ہو جایا کرتی ہیں۔ سائنسی علوم و انکشافات تک ان کی دسترس کس حد تک ہوتی ہے' اس کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ اس کے باوجود اصرار یہ کہ اگر وہ اعلان کریں گے تو مہینہ شروع ہوگا ورنہ نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک ملک تو کیا بعض دفعہ ایک ہی شہر میں دو دو عیدیں منائی جاتی ہیں۔

اُمت کو اُمتِ واحدہ بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ان میں مکمل ہم آہنگی ہو۔ ان کے تہوار ایک مقررہ دن پر ہوں۔ تمام دنیا کو اس کے متعلق پہلے سے معلوم ہو کہ فلاں دن اور فلاں تاریخ کو رمضان شروع ہوگا۔ فلاں دن عیدالفطر ہوگی' فلاں تاریخ کو حج ہوگا اور فلاں تاریخ کو دیگر تہوار۔ تمام دنیا میں یہ تہوار ایک دن اور ایک متعین شدہ تاریخ کو ہوں۔ ایسا صرف سورج کے حساب سے کیلنڈر رکھنے سے ہی ممکن ہے کیونکہ شمسی کیلنڈر رکھنے میں زیادہ سے زیادہ چند گھنٹوں کا ہی فرق ہوسکتا ہے دنوں کا نہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہر مہینے چاند دیکھ کر مہینے کا تعین کرنے کی زحمت سے قوم کو نجات مل جائے اور پوری دنیا میں مسلمان متعین شدہ دنوں میں اپنے تہوار منا سکیں۔ قوم کو انتشار سے نکال کر مکمل ہم آہنگی کی طرف لانے کے لئے یقیناً یہ ایک اچھا قدم ثابت ہوسکتا ہے اور یہ قرآن کی منشاء کے بھی عین مطابق ہوگا۔

(درج بالا مضمون محترم اشفاق احمد' جاپان کی تصنیف ''کائنات میں انسان کا مقام اور مقصدِ زندگی'' سے ماخوذ ہے۔ یہ کتاب طلوعِ اسلام ٹرسٹ سے بھی دستیاب ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبداللہ ثانی، پشاور

سیکولرازم اور دوقومی نظریہ قرآن کی نظر میں

(قسط اول)

عنوان زیر بحث محترم عزیز اللہ بوہیو صاحب جن کا تعلق سندھ ساگر پارٹی سے ہے، پر ایک پمفلٹ چھاپا ہے۔ اس پمفلٹ میں موصوف نے دوقومی نظریہ اور سیکولرازم کے حوالہ سے علامہ اقبالؒ اور غلام احمد پرویز مرحوم کی بعد از وفات انتہائی سخت لہجہ میں خبر گیری کی ہے۔ ہر دو مرحومین کا قلم سہواً بھی کبھی کسی کے خلاف اس انداز سے استعمال نہیں ہوا جو انداز محترم بوہیو صاحب نے اختیار کیا ہے۔ ظاہر ہے بوہیو صاحب کو ان کی زبان میں جواب دینے سے شاید وہ سمجھ سکیں۔ غالباً یہ ناممکن ہے کہ علامہ اقبال نے جناب حسین احمد مدنی مرحوم کے لئے ابوجہل کا لفظ استعمال کیا ہو۔ کم از کم راقم کی نظر سے نہیں گزرا۔ بوہیو صاحب پرویز مرحوم کے دروس میں شامل رہے ہیں ممکن ہے اس وقت بوہیو صاحب بقول ان کے ''طفل مکتب'' ہوں اور اب علامہ ہو چکے ہوں اس لئے دونوں مرحومین پر قوم، قومیت، دوقومی نظریہ کے تیر برسا رہے ہیں۔ اب بھی شاید ایسے لوگ موجود ہوں جو بوہیو صاحب کو قوم، قومیت، دوقومی نظریہ اور سیکولرازم کی حقیقت قرآن کریم کی نظر میں سمجھا سکیں۔

ہمیں یہ بھی احساس ہے کہ بوہیو صاحب سندھی ہونے کی وجہ سے اردو میں اپنے مافی الضمیر کو اچھی طرح پیش کرنے سے قاصر ہوں اس لئے ان کی اردو کی تحریروں میں سیاق سباق اتنا بے ربط ہو جاتا ہے کہ دو دو تین تین بار پڑھنے سے بھی قاری کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ پھر ہمیں ان کی قومیت کا احساس بھی مدنظر ہوتا ہے کہ شاید سندھی ہونے کے ناطے وہ اردو سے انصاف نہیں کر پاتے، اوپر سے غصے کا اظہار بھی ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے سندھی زبان میں ان کی روانی اچھی ہو لیکن ہماری مشکل یہ ہے کہ ؎

یار من ترکی و من ترکی نمی دانم

بہرحال پمفلٹ کے سرورق پر سورہ یوسف کی آیت نمبر ۱۵ دی گئی ہے جس کا تعلق انتہائی غور و فکر کے بعد بھی کسی قوم کے ساتھ نہیں ہے۔ ہمارے ہاں اس قسم کی روش کوئی نئی بات نہیں بس یہ ایک فیشن بن چکا ہے۔ محترم بوہیو صاحب

نے سیکولرازم کی تشریح بڑے ''خوبصورت'' انداز میں کی ہے۔ انہوں نے دنیا کے تمام علاموں اور سکالرز پر الزام لگایا ہے کہ آج تک کوئی بھی یہ نہیں سمجھ سکا کہ سیکولر کے یا سیکولرازم کے اصلی معنی کیا ہیں۔ فرماتے ہیں:

''کہیں لفظی ہیرا پھیری کے ذریعے تحریفیں کی گئی ہیں۔ تو کہیں معناؤں میں' علمی دنیا کی اصطلاحات میں لفظ سیکولر کی اصطلاح بھی بڑی مظلوم ہے۔ مجھے یہاں صرف سیکولر لفظ سے متعلق گزارش کرنی ہے۔ اس کے لئے میں نے صرف تین عدد ڈکشنریاں دیکھی ہیں۔ اب بعض علمی شخصیتوں نے بشمول بانی طلوع اسلام علامہ پرویز صاحب کے اس معنی پر اضافے فرمائے ہیں کہ لادینیت' لا مذہبیت' انکار وحی اور وحی والے مذہب کے برعکس' عقل پر چلنا وغیرہ وغیرہ۔ اس لفظ اور اصطلاح کا معنوی پس منظر انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا نے بھی جو لکھا ہے وہ بھی کلیسائی پادریوں اور سائنسدانوں کی جنگ کی ایک قسم کی تفصیل اور تاریخ ہے۔ باقی براہ راست لفظی اشتقاق اور تحقیق اس میں بھی نہیں۔ شاید اس لئے بھی کہ اس کے مصنف نے لفظی تحقیق کو اہل لغت اور گرامر کا کام قرار دیا ہو۔ تو میں انگلش سے تو مکمل انجان ہوں پھر بھی ڈکشنری کی مدد سے سیکولر مادے کے مشترک صیغے معناؤں کے ساتھ عرض کرتا ہوں''۔ (اقتباس ختم)

واہ بوہیو صاحب! علم کو بلاتکبیر پڑھے جس بیدردی سے آپ نے ذبح کیا' شاید ہی کوئی عالم ایسا کر سکے۔ انسائیکلو پیڈیا پر آج تک اتنی کڑی تنقید خود کسی انگریز فلاسفر نے نہیں کی جتنی آپ جیسے محقق نے انگریزی میں انجان ہوتے ہوئے کی۔ انگریزی ادب میں آپ نے تہلکہ مچا دیا۔ جب عربی زبان کے مادے کو انگریزی ادب کے مادے کے قدموں میں بٹھا دیا۔ یاد رہے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی حیثیت ایک کسوٹی کی ہے' کوئی بھی ادبی تنازعہ کھڑا ہو تو فیصلہ اسی کتاب پر ہوتا ہے۔ پھر آگے جا کر آپ نے سیکولر کو سکولر اور اسکیلڈ کے معنی پہنا دیئے۔ آپ کو تو یہ حق حاصل ہے کہ ''معناؤں'' میں تحریف اور ردو بدل کر سکیں لیکن کسی اور کو آپ یہ حق نہیں دیتے۔ آیئے! میں آپ کو سیکولر کے معنی انسائیکلو پیڈیا سے بتاتا ہوں اور پھر آپ اس کا ترجمہ کریں اور پوری دیانتداری سے فیصلہ کریں کہ پرویز مرحوم نے انگریزی کا ترجمہ صحیح کیا ہے یا نہیں یا آپ کا بنایا ہوا ترجمہ درست ہے۔ آپ کے ترجمے کا اقتباس انگریزی معانی کے بعد پیش کروں گا۔

(انسائیکلوپیڈک)

Secular:- 1.Pertaining to this world or the present life. Temporal, worldly, contrasted with religious or spiritual,

2.Not under the control of the church, civil, not ecclesiastical.

3.Not concerned with religion, not sacred secular art.

4.Not bound by monastic vows, opposed to regular, the secular clergy.

5.Occuring or observed but once in an age or century.

6.Lasting for ages.

Secularism:- Regard for worldly as opposed to spiritual matters, specifically the belief of secularists.

Secularists:- 1. A Person who bases morality on the well being of mankind in this world without any consideration of religious systems and forms of worship.

2. One who believes that religion should not be introduced into public education or the management of public affair.

Secularity:- 1. Secularism, worldlines,

2. Any practice or interest blonging exclusively to the present life.

Secularize:- 1. To make secular, convert from sacred to secular uses.

2. To make worldly.

3. To change from monastic or regular to a secular, as a monk.(صفحہ ۱۱۳۸)۔

بقول بوہیو صاحب ان کے اردو ''معناؤں'' کو آپ کیا جامہ پہنائیں گے۔ پرویز مرحوم نے اگر اس کا ترجمہ لادینیت' لامذہبیت' انکار وحی اور وحی والے مذہب کے برعکس' عقل پر چلنا کیا ہے تو اس میں کونسی غلطی ہے۔ انگریزی نص کا اس سے بہتر ترجمہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ آپ نے (بوہیو صاحب) انسائیکلوپیڈیا کو جن الفاظ میں جھٹلایا ہے۔ وہ اٹکل پچو اقتباس درج ذیل ہے۔ بوہیو صاحب فرماتے ہیں۔

''پھر ان کا کامن مفہوم اور قدر مشترک آپ سمجھیں۔ انگلش اسپیل سے مجھے معانی دین رومن انگلش اردو کے سہارے پیش کرتا ہے۔ اسکلپ۔ اسکالپ کے معنی ہے کھوپڑی۔ (یعنی دماغ وعقل کی جگہ) اسکالر کی معنی ہے عالم اسکول کی معنی ہے علمی درسگاہ سیکولر یا اسکیلڈ کی معنی ہے ہنرمند' کاریگر اور مستری وغیرہ اسکولنگ کی معنی نصیحت وتعلیم اسپی کولیشن قیاس کرنا اجتہاد کرنا اسکولم اور اسکولینٹ کی معنی ہے شرح کرنے والا

اور حاشیے لکھنے والا۔ اور لفظ سیکولر کی معنی تو دنیاوی کی گئی ہے لیکن بعض علاموں نے اس میں اپنی طرف سے اضافے فرمائے ہیں کہ لادینیت' لامذہبیت اور انکار وحی وغیرہ وغیرہ''۔

پیش کردہ اقتباس کو ایک بار نہیں ہزار بار پڑھئے ہر بار سر کے اوپر سے گزر جائے گا۔ سنا تھا کہ جنات ایسی بولی بولتے ہیں جو کسی کے سمجھ میں نہیں آتی اور بعض اوقات خود جنات بھی نہیں سمجھ سکتے کہ مخالف جن کیا کہہ رہا ہے۔ اسکلپ کے لئے مجھے بیسیوں ڈکشنریاں دیکھنی پڑیں لیکن نہ ملا اور نہ ملا یہ لفظ۔ معلوم ہوا کہ بوہیو صاحب Skull کہنا چاہتے ہیں اور اس لفظ کے آخر میں P کا اضافہ ان کی اپنی تحقیق ہے۔ انگریزی میں انجان ہوتے ہوئے اتنی بڑی تحقیق آپ نے کی جس پر خود انگریزی ادب محو حیرت ہے۔ اس کے بعد موصوف کی تحقیق اسکالر سے ہوتی ہوئی سیکولر پر آ کر رک گئی۔ یہاں ہمیں مجبوراً مرزا غالب مرحوم سے معذرت کرنا پڑی۔ ؎

رو میں ہے رخشِ ''تحقیق'' کہاں دیکھئے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

بوہیو صاحب فرماتے ہیں۔

''ایک بات یہ تو سامنے آ گئی کہ سیکولر مادے کے مختلف صیغوں اور اشتقاقات سے یہ تو طے پا گیا کہ جن چیزوں کا تعلق دماغ سے ہو' عقل سے ہو' جو چیزیں علم' تحقیق ریسرچ اور اجتہاد سے تعلق رکھتی ہوں اور ترازو والی معنی میں عدل وانصاف سے تعلق رکھتی ہوں۔ دنیاوی والی معنی کی روشنی میں حکومت اور دنیاوی انتظامات سیاسی ایڈمنسٹریشن کے مفہوم سے متعلق ہوں۔ یہ سب اسی سیکولر مادے کی مختلف شکلوں کی معنائیں ہیں''۔

راقم کو بوہیو صاحب کے پمفلٹ سے بار بار اقتباس پیش کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہو رہی ہے کہ قارئین اچھی طرح بوہیو صاحب کی نظر میں سیکولرازم یا سیکولر اسٹیٹ کے مفہوم کو سمجھنے میں دشواری محسوس نہ کریں۔ کیونکہ انسائیکلوپیڈیا خود سیکولر اسٹیٹ میں مذہب (وحی) کے عمل دخل کی ممانعت کرتا ہے جبکہ بوہیو صاحب کی تحقیق کے مطابق سیکولر اسٹیٹ دراصل مذہبی یا وحی کی بنیاد پر چلنے والی حکومت کا نام ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ دونوں کی سمتیں ایک دوسرے کے خلاف ہیں یعنی اگر انسائیکلوپیڈیا کی تشریح جانب شرق ہے تو بوہیو صاحب کی جانب غرب۔ بالکل ایسے جیسے ٹراؤٹ مچھلی پانی کے بہاؤ کے الٹا چلتی ہے' اسی لئے سب سے مہنگی ہوتی ہے۔۔ اب اگر پرویز مرحوم تحقیق درست سمت میں کریں تو مورد

عتاب' اور بوہیو صاحب جیسے مرضی ہو تحقیق کریں تو باعث ثواب۔

یہاں پشتو ادب کے ایک محقق کی تحقیق کا حوالہ دیئے بغیر بات ادھوری رہے گی۔ اگرچہ ترجمے میں وہ چاشنی آپ کو محسوس نہ ہو گی جو پشتو میں ہے تاہم دلچسپی برقرار رکھنے کی کوشش کروں گا۔ محقق نے پشتو الفاظ کے نئے معانی دریافت کئے۔

نیاں۔ (نانی)۔ لوگو دھنے زوڑ تصویر۔ (دھووں کی ماری ہوئی پرانی تصویر)۔

پلار۔ (باپ)۔ غٹ تھانہ دار۔ (بڑا تھانیدار)۔

پٹواری۔ پٹ گزار کولو والا۔ (چھپ کر وار کرنے والا)۔

ظاہر ہے تحقیق پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ جس کا جس طرح جی چاہے تحقیق کر سکتا ہے۔ اتنا لحاظ ہونا چاہئے کہ تحقیق' تحقیق کے دائرے اور مقررہ حدود کے اندر رہ کر کرنی چاہئے تاکہ قاری اس تحقیق سے بہرہ مند ہو سکے بلکہ لطف اندوز بھی ہو سکے۔ آپ نے انسائیکلو پیڈیا سے ماخوذ سیکولر اور سیکولرازم کی تشریح پڑھ لی ہو گی۔ اس تشریح پر کرہ ارض کی ادبی و علمی دنیا سوائے بوہیو صاحب کے متفق ہے۔

رہی یہ بات کہ بقول بوہیو صاحب حکومت چلانے کے لئے عقل کی ضرورت ہے اور وحی بھی عقل کے استعمال کی دعوت دیتی ہے۔ لہٰذا ہر حکومت جو عقل کی بنیاد پر چلائی جائے گی وہ سیکولر ہو گی۔ یاللعجب!

اس میں شک نہیں کہ حکومت چلانے کے لئے عقل کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ایسی حکومت جس میں حیات بعد الممات کا تصور نہ ہو' محض حاضر زندگی کے لئے سامان زیست مہیا کرے ایک سیکولر حکومت کہلاتی ہے۔ اس کے برعکس جو حکومت دنیا میں ینفع الناس اور حیات بعد الممات کی بنیاد پر قائم ہو کسی صورت میں سیکولر نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جو حکومت قوانین خداوندی پر عمل پیرا نہ ہو' قرآن کریم یا وحی خداوندی نے اس حکومت کو تین دفعات لگا کر سیکولر حکومت قرار دیا ہے۔

۱۔ وہ لوگ جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ قوانین پر عمل پیرا نہ ہوں وہ ظالم ہیں۔

۲۔ وہ لوگ جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ قوانین پر عمل پیرا نہ ہوں وہ کافر ہیں۔

۳۔ وہ لوگ جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ قوانین پر عمل پیرا نہ ہوں وہ فاسق ہیں۔

یہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۴۵' ۴۶ اور ۴۸ ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا۔ واما ما ینفع الناس فیمکث فی

الارض۔ کرہ ارض پر اسی نظام کو بقا حاصل ہے جو انسانیت کے لئے نفع بخش ہو۔

آج کرہ ارض پر نظر ڈالیں۔ تمام حکومتیں سیکولر ہیں۔ کسی ایک مملکت کو آپ اسلامی نہیں کہہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ خود انسان اپنے انسانوں ہی کے ہاتھوں بلبلا رہا ہے۔

اس کے بعد محترم بوہیو صاحب نے قومیت کے مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار اور ساتھ ہی قومیت پر تحقیق کی ہے۔ سندھیوں کو علیحدہ قوم، بنگالیوں کو علیحدہ قوم، پٹھانوں کو علیحدہ قوم اور عربوں کو علیحدہ قوم وطن کی بنیاد پر قرار دیا ہے، قومیت کا تعلق نظریات یا کسی نظریہ پر نہ ہونے کے حق میں دلائل دیئے ہیں۔ انشاء اللہ اگلی قسط میں ''قوم کیا چیز ہے قوموں کی حقیقت کیا ہے'' پر قرآن کریم کی نظر میں روشنی ڈالی جائے گی۔ امید ہے کہ سیکولر اسٹیٹ یا سیکولرازم پر بات سمجھ میں آ گئی ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اظہارِ تشکر

ستمبر ۲۰۰۵ء میں مجھے طلوع اسلام سینٹر کی زیر تعمیر وسیع عمارت دیکھنے کا موقع ملا۔ تو کام بند پڑا تھا۔ خاک اڑ رہی تھی۔ مجھے بڑا دکھ ہوا کہ کافی رقم خرچ ہوئی اور بہت سی توانائیاں بھی صرف ہوئیں۔ جب کام کا تھوڑا حصہ باقی رہ گیا تو فنڈ ز ختم ہو گئے۔

قسمت کی بات دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جبکہ لبِ بام رہ گیا

اس مایوسی کے عالم میں گنگا رام ہسپتال/طلوع اسلام سینٹر کے عنوان سے ایک اپیل شائع کی تو احباب نے میری پریشانی کافی حد تک کم کر دی۔ آپ کے لطف کرم نے دیے میں تیل ڈال دیا ہے اور چراغ کی روشنی کو خاصا بڑھا دیا ہے۔

مجھ کو اداس کر گیا جبکہ سلوکِ انجمن
اٹھ کے نگاہِ دلبری ہاتھ مرا دبا گئی

نومبر کے پرچہ میں تفصیلات دیکھ کر بڑا حوصلہ ملا۔ تو میں پانچ دسمبر کو اشرف ظفر صاحب نمائندہ بزم لاہور کی معیت میں پھر سائیٹ پر گیا تو الحمد للہ کام ایک بار پھر زور وشور سے شروع ہو چکا تھا۔ میرے جسم میں تازگی آ گئی۔ آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں اور چہرہ ہشاش بشاش ہو گیا۔ کام کی رفتار سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اب اس عمارت کی تکمیل کی خوشخبری سال نو کے پہلے یا زیادہ سے زیادہ دوسرے مہینے میں آپ کو مل جائے گی۔

فرش اور دیواروں پر بڑی خوبصورت اور دیدہ زیب ٹائلیں لگائی گئی ہیں جس سے بلڈنگ کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہمیں کبھی سفیدی ڈسٹیمپر یا پینٹ کروانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ کام کی مضبوطی اور پائیداری کا یہ عالم ہے کہ آئندہ پچاس سال تک ہمیں مرمت کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ میں نے چند انجینئر دوستوں کی رائے لی تو ان کا متفقہ فیصلہ تھا کہ اس بلڈنگ کی لائف کم از کم ایک صدی تک محیط ہو گی۔

کسی باغبان نے پھل دار درخت لگاتے ہوئے

کہا تھا کہ فلاں درخت میرے باپ نے لگایا اور آج میں اس کا پھل کھا رہا ہوں۔ جو میں لگا رہا ہوں۔ اس کا پھل میری اولاد کھائے گی۔ اس کے برعکس جو باغ آپ لگا دیتے ہیں۔ اس سے نہ صرف آپ کی ذات مستفید ہوگی بلکہ آئندہ آنے والی کم از کم تین نسلیں بھی فائدہ حاصل کر سکیں گی اور یہ صدقہ جاریہ ہوگا۔

آپ جب کبھی لاہور آئیں تو اس بلڈنگ کو ضرور دیکھئے گا۔ فاصلہ بھی دور نہیں اور وقت بھی زیادہ نہیں لگے گا۔ ریلوے سٹیشن لاہور سے ہر پندرہ منٹ بعد اومنی بس جلو موڑ جاتی ہے جو صرف دس روپے میں آپ کو منزل پر پہنچا دے گی۔ آپ وہاں جائیں گے تو آپ کا خون بڑھ جائے گا۔ روح خوش ہو جائے گی اور آپ کا دل اور ضمیر مطمئن ہوں گے کہ آپ نے بہت ہی نیک اور اچھا کام کیا ہے۔ اس عمارت کا جو نقشہ آپ کے ذہن میں ہے۔ اس کو کہیں زیادہ خوبصورت اور حسین پائیں گے۔

اب صرف فنشنگ کا کام ہو رہا ہے۔ اگر احباب کی توجہ کا سلسلہ بدستور جاری رہا تو کام حسب وعدہ مکمل ہو جائے گا۔ اس وقت اگر اکاموڈیشن ہماری ضرورت سے زیادہ محسوس ہوئی تو اس کا کچھ حصہ کرائے پر دے کر آمدنی کا ایک ذریعہ پیدا کر لیں گے۔ جس سے قرآنی لٹریچر کو زیادہ تعداد میں اور کم قیمت پر شائع کرنے میں مدد ملے گی۔

میں تمام ڈونرز کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے میری درخواست کا فراخ دلی سے جواب دیا۔ بلکہ کہہ سکتا ہوں

یارانِ تیز گام نے منزل کو پا لیا

محمد شریف لون

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام' لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان اور دکھی انسان

ملک حنیف وجدانی

(۲)

لاکھوں سال پہلے زلزلوں سے پہاڑوں اور وادیوں کی تشکیل
''زمین پر پانی ۷۱.۱۱۱ فی صد اور خشکی ۲۸.۸۸۹ فی صد'' جدید تحقیق
سمندری سونامی زلزلہ' اقوام متحدہ متحرک
پاکستانی زلزلہ' اقوام عالم عملاً شریکِ کار
''اور انسانیت جاگ اٹھی''
''اس وقت انسانیت ہماری پارٹی ہے''
''انسانیت کی کوئی سرحد نہیں''
''جذبۂ ہمدردی کا جوش وخروش''
''انسان دوستی نے قوت عمل کو مہمیز لگائی''
کنٹرول لائن کا جادو ٹوٹ گیا
امن کے سفر میں تیز رفتاری
ڈونرز کانفرنس' امداد کا کثیر سرمایہ اور قرضہ
برفانی طوفان سے پہلے زندگیوں کے تحفظ کی سوچ
حادثات اور مستقبل کا لائحہ عمل
زلزلہ سے محفوظ جدید ٹیکنالوجی کی تعمیرات
افراط وتفریط' مبالغہ اور حماقت سے راہِ اعتدال
''قومی رضا کار تحریک کا آغاز''
کائنات بنانے والے اللہ جل جلالہ' کی یاد!
حکمت قرآن ۔نظام ربوبیت' ربانی معاشرہ' امیر ملت اسلامیہ؟
کیا حکمران! سپاہ ربوبیت' خود قائم کریں گے؟

؎ ''نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر''
؎ ''جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا''

(آخری قسط آئندہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام باری، مانچسٹر

عبادت من دون اللہ بُت پرستی ہی نہیں طاغوت کی اطاعت بھی ہے

قرآن کریم میں جہاں لفظ عبادت معبودانِ باطل کے لئے آیا ہے وہاں اس کے معنی پرستش اور پوجا پاٹ ہیں اور جہاں یہ لفظ خدا کے لئے آتا ہے وہاں اس کے معنی خدا کی محکومیت واطاعت ہیں۔ افراد یا قوم کا کسی دوسری قوم کے غلام و محکوم ہونے کے سلسلہ میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق قوم فرعون نے کہا کہ ان دونوں کی قوم ہماری ''عابدون'' ہے تو اس آیت سے عبادت کے معنی محکومیت واطاعت واضح ہوجاتے ہیں (القرآن ۲۳/۴۷)۔ طاغوت کا لفظ آیت (۲/۲۵۶) میں اللہ کے مقابلہ میں آیا ہے۔ طاغوت کے معنی ہیں قوانین خداوندی سے سرکشی اختیار کرنے والا۔ ہر وہ نظریہ۔ قانون۔ قوت۔ اقتدار اور حکومت جو کتاب اللہ کے علاوہ ہو طاغوت ہے۔ آیت (۵/۶۰) میں عبدالطاغوت آیا ہے۔ سورۃ النساء میں ہے کہ یہ بزعمِ خویش ایمان کے دعوے کے باوجود طاغوت سے فیصلے کرواتے ہیں حالانکہ انہیں ان کی عبودیت (محکومیت) سے منع کیا گیا تھا (۴/۶۰)۔ اور دوسری جگہ فرمایا کہ مومن طاغوت کی عبودیت (محکومیت واطاعت) اختیار نہیں کرتے (۱۷/۳۹)۔ کیونکہ غیر اللہ کی اطاعت شرک ہے (۶/۱۲۲)۔ ہر امت کو ان کے رسول نے اللہ کی عبودیت (محکومیت) اور طاغوت کی محکومیت اور اطاعت سے اجتناب کی تعلیم فرمائی تھی (۱۶/۳۶)۔ لہٰذا تمام انبیائے کرامؑ خدا کے عابد تھے (۲۱/۷۳)۔ کیونکہ وہ دین قائم کرتے تھے صرف لوگوں کو پوجا پاٹ، پرستش کے طریقے بتانے نہیں آیا کرتے تھے۔ (۴۲/۱۳)۔ اسی طرح خدا کے آخری نبی و رسول ﷺ نے قرآنی حکومت یعنی دین قائم کر کے اس کے ذریعے مشرکین و کافرین پر غلبہ حاصل کیا تھا (۹/۳۳)۔ اس لئے دین کے مطابق زندگی بسر کرنا خدا کا عابد ہونا ہے جبکہ ''مذہبی'' زندگی شرک ہے (۱۰۴-۱۰۵/۱۰) کیونکہ ہر مذہب پرست قوانینِ خداوندی کے بجائے اپنے مذہب کے بانی کی اندھی تقلید اور خود ساختہ قوانین کی اطاعت اختیار کئے ہوئے ہوتا ہے۔ نماز۔ روزہ عبادت کی سمٹی ہوئی شکلیں اور دین کے قیام و بقا اور استحکام کے اقرار کا ذریعہ ہیں۔ ان فرائض سے مقصد اجتماعی زندگی کے ہر شعبے میں خدا کی محکومیت اختیار کرنا ہے جو قرآنی حکومت کے تحت ہی ممکن ہے۔ توحید کے معنی صرف خدا کی محکومیت اختیار کرنا ہے جس کا عملی ذریعہ اس کی کتاب (قرآن کریم) کی اطاعت ہے (القرآن ۶/۱۱۵)۔ کتاب اللہ کے ساتھ انسانوں کے خود ساختہ قوانین کو شامل کر لینا شرک ہے (۴۲/۲۱)۔ انسانی دنیا میں خدا اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا (۱۸/۲۶)۔ قرآن کہتا ہے خدا کی محکومیت (عبودیت) میں کسی کو شریک مت کرو (۱۸/۱۱۰)۔ دنیا میں کوئی ایک بھی مسلم ملک ایسا نہیں جہاں سرکاری طور پر ''اتباع سنت رسول ﷺ کے

مطابق قرآنی حکومت'' قائم ہو۔قرآن کی رو سے یہ شرک اور کفر نہیں تو اور کیا ہے؟ (القرآن ۴۴/۵)۔قرآن میں کفر کو قوموں کی موت (زوال) سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا نتیجہ دنیا اور آخرت دونوں میں حبطِ اعمال ہے (۲/۲۱۷)۔شرک بھی اعمال کو ضائع کر دیتا ہے (۶/۸۹)۔شیعہ اور سنی، جعفریہ اور حنفیہ مذہبی گروہ بندی یعنی فرقہ بندی بھی شرک ہے (القرآن ۳۲۔۳۱/۳۰)۔ جس سے خدا نے منع فرمایا ہے یہ اس لئے کہ فرقہ پرستی عذاب کی زندگی ہے (القرآن ۳/۱۰۴)۔شرک سے جنت حرام ہو جاتی ہے (۵/۷۲)۔شرک معاف نہیں ہو سکتا (۴/۴۸)۔لفظ دون کے معنی ہیں علاوہ اور پہلے۔اسی دنیا میں چھوٹے عذاب کے علاوہ بڑا عذاب۔یا بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کے لئے یہ لفظ آیت (۳۲/۲۱) میں آیا ہے۔من دون اللہ سے مراد بت ہی نہیں بندوں کے لئے یہ الفاظ (القرآن ۱۹۴/۷) میں آئے ہیں۔ بزرگوں کی قبروں کی زیارت شرک نہیں۔ان کی قبروں پر ماتھے رگڑ کر ان سے التجائیں کرنا۔انہیں شریک خدائی سمجھ کر ان سے مرادیں مانگنا شرک ہے۔نیز کسی حلال شے کو ان کے نام سے منسوب کرنا اسے حرام بنا دیتا ہے (۲/۱۷۳)۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ یہ لوگ جن قوتوں سے اپنی مانگ وابستہ کرتے ہیں اور انہیں پکارتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے وہ تو خود مخلوق ہیں۔ ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ زندہ انسانوں ہی سے نہیں بلکہ مُردوں تک سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں۔وہ انہیں شریکِ خدائی سمجھتے ہیں ان مُردوں سے جنہیں اور باتوں کا علم ہونا تو ایک طرف انہیں خود اپنے متعلق اتنا بھی معلوم نہیں کہ کب اٹھائیں جائیں گے (۲۱۔۲۰/۱۶)۔یہ جو ہمارے ہاں کہا جاتا ہے کہ کوئی کلمہ گو مشرک نہیں ہو سکتا صحیح نہیں۔مشرکین خدا کی ہستی کے منکر نہیں ہوتے۔قرآن کہتا ہے کہ اکثر لوگ اللہ پر ایمان کے باوجود مشرک کے مشرک رہتے ہیں (القرآن ۱۲/۱۰۶)۔دوزخ یا جہنم جن وانس کے لئے ہے۔پتھر یا پتھروں کے بتوں اور مجسموں کے لئے نہیں۔جب جہنم میں (مذہبی اور سیاسی) لیڈر اور ان کے پیچھے چلنے والوں کے درمیان مکالمہ ہوگا تو یہ بات ان کی سمجھ میں اس وقت آئے گی جب یہ دیکھیں گے کہ جن کا یہ اتباع کرتے تھے وہ کس طرح ان کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں جو انہوں نے ان سے وابستہ کر رکھے تھے ان کے وہ باہمی رشتے کس طرح ٹوٹ رہے ہیں (القرآن ۲/۱۶۶)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آپ کے خطوط

خداوندا ترے یہ سادہ دل بندے کدھر جائیں!

مذہب کے ایک بہت بڑے داعی کا اصول زندگی تھا کہ ''زندگی کی بعض ضروریات ایسی ہوتی ہیں جن کے لئے جھوٹ بولنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہو جاتا ہے'' دوسری طرف قرآن حکیم کی رو سے متشکل ہونے والی ریاست کے ایک زبانی شیدائی (وزیر محمد جعفر' کا مونکی) اپنی قرآن فہمی کا مظاہرہ کچھ یوں فرماتے ہیں'' مجھے ایک عزیز کی نوکری کے سلسلے میں رشوت دینی پڑی۔ باوجود اس کے کہ میں نے رشوت مانگنے والے کو یہ حدیث مبارکہ بھی سنائی کہ ''رشوت دینے اور رشوت لینے والا دونوں جہنمی ہیں'' جب میں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اپنے مقصد میں ناکام رہا تو اپنے قریبی دوست احباب سے مشورہ کیا۔ سب دوستوں نے یہی صلاح دی کہ کیوں اپنے عزیز کی نوکری داؤ پر لگاتے ہو رشوت دو اور اپنی جان چھڑاؤ چنانچہ رشوت دے کر میں نے اپنا کام نکالا''۔

ان متذکرہ بالا دو نقطہ ہائے نظر کے علاوہ یہاں ایک عام غریب اور سادہ سے مسلمان کے کردار کا تذکرہ بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ راقم کے ایک نہایت مہربان دوست نے اپنے ایک غریب اور بیکار پڑوسی نوجوان کی سفارش کی کہ کافی عرصہ سے بیکار ہے اور مدد کا مستحق ہے اسے کہیں کام پر لگا دو۔ میں نے حامی بھر لی اور دوسرے دن نوجوان کو کام پر لگا دیا۔ نوجوان انتہائی محنتی اور فرض شناس نکلا۔ تین ماہ کی ملازمت کے بعد ایک دن میں نے اسے دفتر میں بلایا اور اس سے تین عدد فوٹو مانگے تاکہ اسے ''مستقل'' کر دیا جائے (کیونکہ کمپنی کے رولز بھی ایسے تھے) مگر نوجوان نے فوٹو دینے سے انکار کر دیا اور کہا میرے مذہب میں تصویر اتروانا منع ہے۔ میں نے اسے بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانا اور اپنا حساب لے کر چلا گیا۔ بات یہ نہیں کہ فوٹو کھچوانا جائز ہے یا ناجائز بات صرف ''اصول'' کی ہے اور اپنے اصول کے لئے قربانی کی ہے۔ اس نوجوان کو بھی ملازمت ختم ہونے کی صورت میں اپنی مشکلات صاف نظر آ رہی تھیں مگر وہ اپنے اصول کی خاطر ان کو خاطر میں نہیں لایا اور اپنی لگی

نوکری کو چھوڑ کر چلا گیا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ پاکستان بننے کے شروع کے دنوں کا ہے۔ راقم نے بس نہ ملنے کی وجہ سے ایک دن اپنے کام سے چھٹی کر لی جب میں مری روڈ راولپنڈی کے اس وقت کے ''کمپنی باغ'' اور آج کے لیاقت باغ کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ باغ سے خاکسار تحریک کے جلسے کا اعلان ہو رہا ہے اور خاکسار سپاہی دستوں کی صورت میں مارچ کرتے ہوئے ادھر ادھر سے باغ کی طرف آ رہے ہیں۔ ان سپاہیوں کے ایک جیش میں راقم نے اپنے کارخانے کے ایک کاریگر کو وردی پہنے مارچ کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ دوسرے دن ازراہ مذاق میں نے آفس بوائے کو کہا کہ فلاں مشین پر کام کرنے والے کاریگر کو بلا لاؤ۔ وہ کاریگر تھوڑی دیر میں دفتر میں حاضر ہو گیا میں نے ایک ٹائپ شدہ کاغذ اپنی ہاتھ میں لیتے ہوئے اسے کہا کہ تم کل کہاں تھے تمہارے خلاف یہ رپورٹ آئی ہے کہ تم حکومت مخالف پارٹی کے ممبر ہو اور کل تم اس پارٹی کے جلسے میں شامل تھے اور ڈیوٹی پر نہیں آئے لہٰذا تمہیں نوکری سے برخاست کر دیا جائے (ان دنوں خاکساروں کے خلاف اکثر ایسا ہی سلوک ہوتا تھا) میں نے اس کاریگر کو سمجھانے کے انداز میں کہا کہ تم غریب آدمی ہو اور ہمارے اچھے کاریگر ہو اگر تم مجھے لکھ دو کہ تم آئندہ اس پارٹی سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھو گے تو میں تمہاری سفارش کر دیتا ہوں اور اس طرح تمہاری نوکری بچ سکتی ہے جاؤ اور مجھے سوچ کر بتاؤ۔ وہ دفتر سے نکل گیا اور میں اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھوڑی دیر میں وہ اپنے کپڑے پہن کر آ گیا اور کہنے لگا ''صاحب مجھے اپنا حساب دے دو۔ میں اپنی جماعت نہیں چھوڑ سکتا میرا تو باپ بھی خاکسار ہے'' اس جواب کے بعد میں نے اسے اپنے مذاق سے آگاہ کر دیا۔

یہ دنیا ہے اور یہاں ہر آدمی کی آنکھوں کے سامنے دنیاوی مصلحتیں اور دور اندیشیاں رقص کرتی ہی رہتی ہیں مگر اپنے نظریات کے ساتھ مخلص لوگ ان کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ایک عظیم الشان منزل کی تکمیل کا منصوبہ اس وقت تک پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ کچھ اینٹیں اس کی بنیاد میں دفن نہیں ہو جاتیں۔ اگر ہر اینٹ کا مطالبہ اور خواہش یہی ہو کہ وہ تو عمارت کی آخری منزل کے کنگرے پر ہی لگے گی تو یہ عظیم الشان عمارت کبھی بھی معرض وجود میں نہیں آ سکتی۔

کسی بھی ضابطۂ حیات کو ماننے والے افراد میں اس قسم کا اعلیٰ کیریکٹر پیدا نہیں ہوتا تو پھر ان کا نظریۂ حیات محض شاعری ہے نظریہ نہیں۔ سوچنے کا مقام ہے کہ متذکرہ بالا کرداروں میں گفتار اور عمل کا تضاد کن لوگوں میں زیادہ ہے عام سادہ لوح مسلمانوں میں یا کسی نہ کسی مذہبی۔ دینی یا

سیاسی فہم سے متعلق لوگوں میں۔ کیا رب کائنات گفتار و عمل کے اتنے بڑے تضاد کی حامل اقوام کو سلطنتیں اور حکومتیں انعام و اکرام کے طور پر دے گا یا عذاب و سزا کے طور پر۔ اب ہے کوئی خدا کا بندہ جو ہم سادہ لوح مسلمانوں کو یہ سمجھائے کہ اگر ان مکتبہ ہائے فکر کے حامل افراد نے اپنے اپنے فہم دین و مذہب کے مطابق کبھی کوئی مذہبی' دینی یا سیاسی سلطنت قائم کر بھی لی (جس کی دور دور تک کوئی نشانی نظر نہیں آتی) تو اس سلطنت میں عملاً ہوگا کیا؟ سلطنتیں اور حکومتیں عمل کرنے یا اپنا سرخ خون بہانے سے ہی ملتی ہیں۔ بیانات داغنے کاغذ سیاہ کرنے یا نعرے لگانے سے نہیں ملتیں اور اگر دنیا میں کہیں کوئی ایسا حادثہ ہو بھی جائے تو اس کا جو حشر ہوتا ہے وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ حضرت علامہ اقبال نے یونہی تو نہیں کہا تھا کہ

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی

کسی بھی سلطنت کو چلانے کے لئے اعلیٰ پایہ کے منظّم افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اعلیٰ کیریکٹر کے حامل ہوں۔ وگرنہ بھیڑ یا راج سے اصلاح و فلاح کی توقع کرنا وقت کا ضیاع ہی ہے اور کچھ نہیں۔ والسلام

نواز اختر اعظمی' چوک اعظم

محترم نواز اختر اعظمی صاحب' کیریکٹر کی اہمیت سے کسے انکار ہے یا ہو سکتا ہے۔ ہمیں آپ کے ارشادات سے پورا اتفاق ہے مگر وزیر محمد جعفر صاحب نے اپنے مضمون میں کہیں بھی اپنے کیریکٹر کی بلندی کا دعویٰ نہیں کیا ہے اور نہ ہی انہوں نے اپنی اس کمزوری کو قرآن و حدیث سے جائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے آپ کا ان پر غصہ کچھ مناسب نہیں لگتا۔ ہمارے خیال میں انہوں نے ہمارے معاشرے میں موجود قول و فعل کے تضاد ہی کی تصویر کشی کی کوشش کی ہے جس کا ہم اور آپ من حیث المجموع' شکار ہیں۔ (م س ا)۔

☆☆☆

السلام علیکم۔

طلوع اسلام کا اکتوبر ۲۰۰۵ء کا پرچہ ملا جس میں خواجہ ازہر عباس کا مضمون ''اللہ کی اطاعت براہ راست نہیں ہو سکتی'' پڑھا۔

پہلے اتنا عرض کر دوں کہ میری نظر میں خواجہ ازہر عباس بہت بڑے عالم دین ہیں۔ آپ پچاس سال سے قرآن کو سمجھنے اور عوام کو سمجھانے کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ میں خود خواجہ صاحب سے گفتگو اور بحث و مباحثہ کرنے کے بعد ملاؤں کے روایتی مذہب سے ہٹ کر خالص قرآنی فکر سے روشناس ہوا۔ خواجہ صاحب جب بھی لندن تشریف لائے میں اور میرے ساتھی بار بار ان سے علمی و

فکری نشست کر کے فیض یاب ہوئے۔

لیکن ان تمام باتوں کا مطلب یہ بالکل نہیں کہ خواجہ صاحب کسی بات میں غلط نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مندرجہ بالا مضمون میں خواجہ صاحب نے جنگ کی صلوٰۃ کا ترجمہ بالکل غلط کیا ہے۔ انہوں نے سارا ترجمہ روایات کا سہارا لے کر کیا۔ قرآنی تعلیم کی روشنی میں نہیں۔ اگر خواجہ صاحب کے ترجمہ کے مطابق آدھی فوج لڑائی چھوڑ کر نماز پڑھنے لگ جائے اور فوج کا کمانڈر بھی جنگ چھوڑ دے تو پھر دشمن کو اس سے اچھا موقع کون دے گا کہ وہ آدھی فوج پر حملہ کر دے جیسا کہ تورا بورا میں ہوا۔ پھر آپ کیسے نماز پڑھ سکتے ہیں جب اوپر سے گولہ باری ہو رہی ہو، جنگی جہازوں کا شور ہو، یہ ایک بڑی غلط جنگی پالیسی ہوگی کہ آپ آدھی فوج کو دن میں پانچ بار ناکارہ کر رہے ہیں مجھے ڈر ہے کہ اگر خواجہ صاحب کو کسی مسلمان فوج کے کمانڈر کے مشیر کی جاب مل گئی تو اس فوج کا بس اللہ ہی حافظ ہے۔

اس قسم کے عجیب وغریب واقعات پہلے زمانے میں بھی رونما ہو چکے ہیں جب رومن نے یہود پر حملہ کیا تو دیکھا کہ یہودی سبت کے دن نہیں لڑتے تو رومن نے سوچا کہ کیا ضرورت ہے باقی دنوں میں لڑنے کی! اس وقت حملہ کر دو جب یہ لوگ لڑیں گے ہی نہیں بالکل اسی طرح جس فوج کے کمانڈر کے مشیر خواجہ ازہر عباس ہوں گے اس فوج کے دشمنوں کو کیا ضرورت ہے باقی اوقات میں لڑائی کرنے کی صرف نمازوں کے اوقات میں حملہ کر دو جب آدھی فوج ہی ناکام ہو جائے۔

آخر میں اتنا عرض کرتا ہوں کہ خواجہ صاحب نے مضمون میں بڑی مشکل اردو استعمال کی ہے خاص طور پر صفحہ نمبر ۲۹ کے دوسرے کالم کی پانچویں چھٹی لائن پر غور فرمائیے تو مندرجہ ذیل الفاظ ملیں گے مسدود۔ مبہم و مغلق۔ سہل الفہم۔ اب بار بار اردو ڈکشنری کون دیکھے کاش خواجہ صاحب علمیت کا رعب جمانے کی بجائے آسان سادہ زبان کا استعمال کرتے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آئندہ ان کی زبان آسان اور سادہ ہی ہوگی۔

میرے خط کو آئندہ کسی شمارے میں ضرور جگہ دیں۔ شکریہ۔

طاہر راجہ، لندن

لیجئے راجہ صاحب آپ کی خواہش کے مطابق آپ کا خط شاملِ اشاعت ہو گیا۔ لگتا ہے خواجہ صاحب سے آپ کو خاص اُنسیت ہے۔ اسی لئے آپ کے گرامی نامہ کا مقصودِ حقیقی ''خوباں سے چھیڑ'' دکھائی دیتا ہے۔ وگرنہ آپ نے جو سوالات اٹھائے ہیں ان کے جوابات خواجہ صاحب کے مضمون میں موجود ہیں۔ (م س ا)۔

"Mum, I love you."

By

Aziz Mamuji, Kuwait

==========

My mother, *bless her*, has been on my mind a lot these past few weeks. I know she loves me very much indeed and no matter how old I grow, deep in her heart I will always be a baby. This joyous maternal bond and special feeling are, of course, true for all mothers - and these enigmatic emotions continue to inspire some of the most beautiful writings and poetry amongst people everywhere in the world.

Sadly though, mothers, babies and infants have been stirring some rather painful feelings recently. The joy of motherhood is being subjected to severe distress, thanks to Palestine, Iraq, Afghanistan, Sudan and Chechnya, to name a few countries. The world's media endlessly barrage us with images of tearful and shock stricken mothers straddling blood strewn and limbless babies, mostly dead and others barely alive. As we see the pained expressions on their helpless and innocent faces, the misery hits us even harder. No words can describe the sheer despondency of these completely unnecessary situations. The shameless miscreants who, through their misguided beliefs, perpetuate such socio-political mess and common hatred, are either too naïve or too hopelessly brainwashed to understand that it is because of them that our dear mothers are having to suffer the torment they certainly do not deserve.

Even the Holy Quran focuses on a mother's emotional attachment when, in discussing the episode of Prophet Moses, it sympathizes with her trauma and recounts how Allah reunites the child with her happy mother. We are also told of the physical and psychological burden borne by the mother of Jesus and how she too receives divine comfort. The underlying message is obvious when we are repeatedly told to reflect on and appreciate the troubles our mothers bear on our behalf.

An apt anonymous quotation pertinently advises that the most important thing a father can do for his children is to love their mother. Islam accords unequivocal respect to motherhood and emphasizes its central role and influence in moulding family values and Muslim communities. Whereas the Quran defines unique responsibilities for both parents, the balanced emotional and physical development of the child is clearly that of the mother. This maternal role is further explained as the prime formative influence on society. The Prophet's life is replete with references that reinforce the exalted status of mothers and clarify our obligations towards them. He has said that heaven is at a mother's feet, and that ingratitude to her is forbidden for Muslims. Once when commenting on who deserved to be treated well, he said: Your mother, your mother, then your mother, then your father. Need we say more?

'Rehman' and 'Raheem' are words that we Muslims use when referring to Allah. The common usage of '*beneficient*' and '*merciful*' to explain their meanings is woefully inadequate, as these do not justifiably depict the complex concepts that Rehman and Raheem represent. The perfect analogy of God's attributes is the total and balanced environment that a foetus enjoys in the mother's womb. Here it is provided with soft and cushioned physical protection, life sustaining nourishment, immunity from external influences, potential for growth as well as the developmental support that any being requires. Furthermore, these vital blessings and incentives are freely available for us to utilize in our pursuit of a life of upright deeds, one that is based on the values enshrined in the Quran.

Napoleon once said: Give me a good mother, and I will give you a good nation. The mother's caring involves supreme sacrifices as she strives to give her child the best she can in her given circumstances. She will inspire in them the ideals and cultural values of their society. Her profound influence will determine how effectively they will contribute to their immediate community and, ultimately, the quality of the nation they belong to. Taking reference from the Arabic *"Umm"* for mother and its plural '*Ummahat',* the Quran uses Ummah to refer to a Muslim community or nation with a common ideology. Umm is also an eloquent prefix to many phrases, including Umm-ul-Kitab, basis of law; and perhaps the best known Umm-ul-Qura, the mother of cities, Makkah.

Amongst Islamic values, respect for parents is considered second only to the worship of none but Allah. We are to show compassion to them, not utter words of contempt, treat them with tenderness, address them with honour and kindness, and as stated with poetic poignancy, we should lower to them the wing of humility. Writers will tell you that Quranic references to parenthood, and particularly to mothers, are presented in such beautiful and evocative prose that translators can never do justice to them.

But we do not need writers to describe to us the sheer joy we experience when we see our mothers' beautiful smiles, and when we hear their soft and tender voices. Our life brightens up every time we behold that dazzling twinkle in their eyes. May Allah bless all Mothers.

Mum, I love you very much.

Readers may wish to make references to the following Quranic verses that are relevant to this subject:

(Surrah/Verse) 2/83; 2/134; 3/7; 4/1; 4/33; 6/92; 6/150; 16/120; 17/23-25; 17/33; 19/23; 19/32; 21/92; 28/7-13; 31/13-15; 46/15

****

SECULAR JINNAH: MUNIR'S BIG HOAX EXPOSED

By
Saleena Karim
(Reviewed by Maqbool M. Farhat)
==========

The late Chief Justice Muhammad Munir is perhaps best known for his highly controversial book, *From Jinnah to Zia* (1979), in which he openly stated that Mohammad Ali Jinnah was a secularist. To support this Claim Munir used two quotes from Jinnah's speeches and statements, both of which have become the prime favourites of pro-secularist writers. One includes the line 'Hindus would cease to be Hindus and Muslims would cease to be Muslims', from Jinnah's speech of 11th August 1947. The second is a quote that Munir refers to several times in his book, treating as his strongest piece of evidence for a 'secular' Jinnah. However, this quote is a fake. The interview it is sourced from is real, but the words that Jinnah supposedly said are nowhere to be found.

In her book *Secular Jinnah: Munir's Big Hoax Exposed,* Saleena Karim tells the story of how she stumbled upon the truth, almost entirely by accident. The 'Munir quote' was intriguing— it seemed to offer the only clear-cut proof of Jinnah's alleged secular belief. Yet it was because of an issue of grammar within that quote that she setout to track down the original transcript of the interview. She merely wanted to know the context of the quote, but ended up learning more than she had bargained for.

Over twenty-five years after the release of *From Jinnah to Zia,* the author shows us how much damage the 'Munir quote' has done— not only in terms of twisting the facts of history, but now in exposing the intellectual dishonesty of Pakistani scholarship. Saleena Karim names those who have quoted Munir.

The author dedicates the rest of her book to discussing the various myths about the founder of Pakistan, Mohammad Ali Jinnah. **These myths include: Jinnah sought Western democracy… Jinnah was inspired by an *ism*… Islam was just a propaganda tool… Jinnah vetoed proposals for an Islamic State… The speech of 11th August 1947 was secular…** Jinnah never said 'ideology of Pakistan'… Jinnah opposed theocracy and thus was a secularist… The 'ulama opposed Pakistan on religious grounds… Jinnah merely wanted a homeland for the Muslims… The Lahore Resolution was a bargaining counter… No one knew what Jinnah wanted.

In a separate chapter she discusses why Jinnah appointed a Hindu in the first Cabinet of Pakistan; it is in this chapter that she also reveals the real meaning of the words from the speech of 11th August 1947. In the final chapter, the author places excerpts of Jinnah's speeches alongside verses from the Quran, and reveals some startling parallels.

Prof. Akbar S. Ahmed, Ibn Khaldun Chair of Islamic Studies, American University, Washington D.C. (Prof. Ahmed is a leading authority on Jinnah, best known for his 'Jinnah Quartet' has rightly said that *the study of Mr. Jinnah, the Quaid-i-Azam of Pakistan, is crucially important in understanding the debate about Islam and Democracy in our post 9/11 world. Saleena Karim's book is essential reading to understand Jinnah.*

Details on ordering the book, excerpt and contact information are available on the author's website at: http://www.cvberblurb.co.uk

Price: UK £9.99 US $15.99 Publisher: Exposure Publishing Co. U.K.

****